جلد ۹۴ دسمبر ۱۹۸۰ء عدد ۴

ماھنامہ

ترجمان القرآن

ابوالاعلیٰ مودودی

ادارۂ ترجمان القرآن اچھرہ لاہور

ادارہ ترجمان القرآن کی نئی پیشکش

جناب محمد صلاح الدین صاحب مدیر "تکبیر"

کے قلم سے

بنیادی حقوق

پیش لفظ

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

حرفِ آغاز

محمد صلاح الدین

○

کاغذ ولایتی ۔۔۔۔۔۔ طباعت آفسٹ ۔۔۔۔۔۔ کور خوبصورت

سائز ۱۸×۲۲

○

قیمت بیس ۲۰ روپے

○

ادارہ ترجمان القرآن۔ اچھرہ۔ لاہور

ترجمان القرآن لاہور

فہرست مضامین

عدد ۴	دسمبر ۱۹۸۰ء مطابق صفر ۱۴۰۱ھ	جلد ۹۴

ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور

۵ - اے ذیلدار پارک، اچھرہ - لاہور

فون نمبر ـــــ ۴۱۱۰۱۶ ـــــ ۴۱۰۳۱۶

زر سالانہ -/۳۰ روپے - فی پرچہ -/۳ روپے

حسین فاروق مودودی پرنٹر پبلشر نے ایچ - فاروق ایسوسی ایٹس لمیٹڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن اچھرہ لاہور سے شائع کیا

پرنٹر: سید حسین فاروق مودودی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اشارات

ہماری ملی زندگی کی کتاب میں چودھویں صدی کا باب ختم ہو گیا، اور پندرھویں صدی کا پہلا ورق ہم اُلٹ چکے ہیں۔

چودہ صدیوں کی مجموعی تاریخ بہ حیثیت مجموعی ایک خدا پرست ملت کی شاندار تاریخ ہے۔ اس میں فساد اور بگاڑ بھی طرح طرح کے آئے مگر اس کے کمالات کی بھی حد نہیں ہے۔ تاریخ کے اس لمبے چوڑے صحرا سے گذرنے والے قافلے نے زخم بھی بہت کھائے ہیں مگر اس کی فتوحات کی رفتار اور وسعت بھی بے مثال ہے۔ ان مسافرانِ جہاد کو کبھی حریفوں نے، اور کبھی بیگانوں نے بسمل کر کے پٹخ پٹخ دیا ہے مگر یہ ادھ موئے ہو کر بھی اللہ اکبر کہتے ہوئے پھر اُٹھ کھڑے ہوتے رہے اور از سرِ نو صف آرا ہوتے رہے، نو بہ نو کی رونق بن جاتے رہے۔

ابتدا میں حبیب خدا نے واحد کی دعوت دینے کا وقت آیا تو ماریں کھا کھا کر اور اذیتیں سہہ سہہ کر انہوں نے احد احد پکارا، رشتہ و پیوند کی محبتوں کو قربان کر دیا، گھر چھوڑ کے نکلنا پڑا تو در و دیوار اور اموال و املاک کو چھوڑ کر پہلے حبشہ پہنچے، پھر مدینے۔ وہاں دشمن قوت نے جنگ کے لیے للکارا تو ایک تہائی سپاہ اور قلیل اسلحہ و رسد کے ساتھ میدان میں اُتر گئے اور اس معرکہ اول میں ایسی فتح حاصل کی جس نے تاریخ حرب اور نظریۂ فتح و ظفر کو بدل ڈالا۔ بعد میں عرب کے اندر بھی اور عرب کے باہر بھی تمام بڑی بڑی جنگوں میں اپنی چھوٹی افواج سے بڑے بڑے قشونِ قاہرہ کو شکست دی۔ دس برس کی مدت میں پورے جزیرہ نمائے عرب کو اور ایک صدی کے اندر اندر مشرق و مغرب کی سلطنتوں کو زیرِ نگیں کیا۔ پھر یہ

سیلابِ انقلاب ایک طرف مکران سے ہوتا ہوا پہلے سندھ، پھر ملتان اور کشمیر اور بعدہ دلّی دکن اور ڈھاکے تک جا پہنچا۔ دوسری طرف مصر اور مغرب سے چلا تو اسپین کو زیرِ نگیں کرتا جنوبی فرانس تک جا پہنچا۔ تیسری طرف فتح قسطنطنیہ کا دروازہ کھول کر اس نے ہنگری کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ چوتھی طرف بخارا و سمرقند پر جھنڈے اُڑاتا وا لگا کے کنارے جا پہنچا۔ پانچویں طرف بغیر کسی فوجی قوت کے محض تاجروں کے ذریعے اپنی دعوت کے زور سے اُس نے جزائر مالدیپ، سراندیپ، جزائر غرب الہند، جاوا، سماٹرا اور انڈونیشیا تک اپنی روشنی پھیلا دی۔ اور اب پروفیسر بیری فیل (۱۹۷۸ء میں) اور ہیرز اور بامہوف (۱۹۶۲ء میں) کے انکشافات کے مطابق کیلیفورنیا کی تاریخ کے مدفن سے ایسے کتبے برآمد کیے ہیں جن سے بدیہی شہادت ملتی ہے کہ کولمبس سے بہت پہلے پہلی صدی ہجری میں مسلم جہازران دعوتِ حق کا جھنڈا لیے بحرِ ہند اور بحرِ الکاہل کرکے امریکہ کے مغربی علاقے تک جا پہنچے اور وہیں بس گئے۔

یہ اس عجیب و غریب اُمت کی داستان ہے جس نے کبھی دریاؤں اور سمندروں میں گھوڑے ڈال دیے اور کبھی کشتیاں خشکی پر چلوا دیں۔

ہماری تاریخ کی بہت بڑی آزمائش تاتاری حملہ تھا جس نے مرد و زن، عمارتوں، درس گاہوں، مسجدوں اور لائبریریوں کو یکسر تباہ کر دیا۔ اوّلاً حملہ خوارزمی سلطنت پر ہوا، پھر بڑا ریلا آیا تو عباسی سلطنت کو ختم کرتا اور بغداد جیسے مرکزِ تہذیب کو ملیامیٹ کرتا شام تک پہنچا۔ مگر اس تباہی کے بعد مصر سے ایک غلام سپہ سالار اُٹھا اور اُس نے تاتاریوں کو پہلی شکست دی۔ بعد میں اُن کا پوری طرح صفایا کر دیا۔ یہ شخص السلطان الظاہر بیبرس کے نام سے تاریخ کے ایوان میں جلوہ گر ہے۔ اُدھر تاتاریوں کی ایک شاخ کے سردار برکا خان نے اسلام قبول کر لیا اور اُس کے ساتھ شاہی خاندان، دربار اور قوم کے عام لوگوں نے بھی اسلام سے رشتۂ وفا استوار کر لیا۔ اس طرح ایل خانی تاتاریوں کے خلاف خود اندر ہی سے برکا خانی قوت اُبھر آئی۔ اسی طرح دوسری جانب سے صلیبیوں نے مسلمانوں کی کمزوریوں سے فائدہ اُٹھا کر شام تک کے علاقے یروشلم سمیت فتح کر لیے اور مسلمانوں کی خوب خون ریزی کی۔ مگر پہلے سلطان نورالدین زنگی نے اور پھر صلاح الدین ایوبی نے صلیبیوں کو شکست پر شکست دے کر یروشلم اور دوسرے مقبوضات واپس لے لیے۔ اس سلسلے میں سلطان بیبرس کی بھی خدمات ہیں جس نے چھٹے صلیبی حملے کے بعد کے معرکوں کو اپنی تلوار سے روکا۔

اس ملت نے قلم ہاتھ میں لیے تو ایک طرف خطاطی اور نقش گری کے اس اوج کمال کو پہنچے کہ کتابت کو گلکاری بنا دیا اور نقاشی کے ہر خم و پیچ کو لفظوں سے زیادہ پر معنی بنا دیا۔ ملتِ اسلامیہ کے باکمال لوگوں نے عمارتوں، صحیفوں، ظروف، پردوں اور فروش کو نقاشی سے بھر دیا۔ اسی طرح عمارتوں کی پیشانیوں اور محرابوں کو خطاطی کے مختلف نمونوں سے آراستہ کر دیا۔ دوسری طرف اس کے ایک ایک فرد نے تن تنہا ۳۰، ۳۰۰ جلدوں پر مشتمل کتابیں لکھیں اور اُن کے کاغذی دامنوں کو انسائیکلوپیڈیائی وسعتِ معلومات سے بھر دیا۔ انھوں نے اپنی ضرورت کے علوم خود ایجاد کیے۔ قرآن کی تفسیریں لکھیں۔ احادیث کے مجموعے مرتب کیے۔ اور اُن کے ساتھ روایت و سند کے اُصول طے کیے۔ اسماء الرجال کے نئے فن کو اس درجے کی اہمیت ملی کہ سلسلۂ روایتِ حدیث میں آنے والے ہر شخص کی علمی اور اخلاقی زندگی کا ریکارڈ جمع کر دیا۔ یہ ریکارڈ کئی ہزار اشخاص کا ہے۔ لُغت کی کتابیں لکھیں تو لسان العرب اور تاج العروس جیسے دفاتر معنی مرتب کر دیے۔ پھر ہیئت اور ریاضی، الجبرے اور جیومیٹری، سائنس اور ٹیکنالوجی، فلسفے اور منطق پر کتابوں کے انبار لگا دیے۔ آس پاس کی تمام قوموں سے سابق مرتب شدہ علوم کو حاصل کیا۔ ان اجزا کو ملایا۔ اور پھر اپنی تخلیقی فکر سے ان میں وہ اضافے کیے کہ بالکل تازہ علوم وجود میں آگئے۔

قرآن و حدیث جو ان کے لیے مآخذِ قانون تھے، اُن کی انھوں نے محض توضیحی شرحیں ہی نہیں لکھیں بلکہ اُن کے صریح اوامر و نواہی کے علاوہ نص کے اشارات و دلالتوں سے بھی احکام کا استنباط کیا۔ پھر استنباط ہی نہیں کیا بلکہ بدلتے حالات اور نت نئے واقعاتی مسائل پر ان کو نئے نئے طریقوں سے منطبق کر کے اجتہاد کی راہیں نکالیں۔ اور ساتھ ہی خود اجتہاد اور قیاس اور استحسان کے اصول وضع کیے اور چودہ صدیوں کے لمبے عرصے میں خدائی ضابطۂ حیات کو مجتہدانہ انداز سے طرح طرح کے احوال پر منطبق کر کے ایسی خوبی سے نافذ العمل رکھا کہ زندگی کا کوئی گوشہ اور معاشرت کا کوئی مسئلہ اس دائرے سے باہر نہیں رہا۔ سیاست، معیشت، معاشرے اور دفاع کے تمام شعبے اسلامی اصول و مقاصد کے تحت ایسی خوبی سے چلے کہ عوام کو رزق کے لحاظ سے خوشحالی، اخلاق کے لحاظ سے سلامتی، حقوق کے لحاظ سے پوری سکینت حاصل رہی۔ توحید نے انسانوں کو سچی مساوات سے مالا مال کیا۔ یہ نعمتیں ہر دور میں مختلف نظریات اور نظاموں سے لوگوں نے حاصل کرنے کے خواب دیکھے مگر جس معیار پر پورے توازن سے یہ ساری نعمتیں انسان کو اسلام نے فراہم کیں، کہیں اور سے نہ مل سکیں۔ حتیٰ کہ آج کے جمہوری دور میں بڑے سے بڑے خوش آئند چارٹر اور دلفریب اصطلاحات کا چرچا ہے، مگر ایمان، جان،

آن اور نان کی گارنٹی کہیں بھی حاصل نہ ہو سکی۔

ملتِ اسلامیہ کے شہداء علی الناس نے انقلابی جذبے سے جب چھینیاں ہاتھ میں لیں تو پتھروں میں جان پیدا کر دی، اُن کے بنائے ہوئے گنبد و مینار بولتے ہیں، اُن کے فنِ تعمیر کے عجوبے پتھروں کے لفظوں میں اعلیٰ درجے کی شاعری کے نمونے ہیں۔ وہ جہاں گئے — عراق اور مصر اور اندلس اور سندھ وغیرہ میں — انہوں نے نئے نئے شہر بسائے، پُل تعمیر کیے۔ پانیوں پر بند باندھے، نہریں کھدوائیں، تالاب اور کنویں بنوائے، سریع الرفتار برید (ڈاک) کا انتظام کیا، سکے ڈھالے، صنعتیں لگائیں، تجارت کو ہاتھ میں لیا۔ سمندروں میں ہسپانیہ سے لے کر انڈونیشیا تک بحری تجارتی بیڑے چلا دیے۔ ہر جگہ کئی کئی مدرسے کھولے، بڑی بڑی یونیورسٹیاں قائم کیں۔ کئی کئی لاکھ کتابوں کے ذخیرے لائبریریوں میں جمع کیے، جہاں جہاں حکومت کی، کئی کئی بستروں کے ہسپتال کھولے اور اُن میں وارڈ بنائے۔ رصدگاہیں بنوائیں، ستاروں کی رفتاریں دیکھنے کے لیے انہوں نے ابتدائی قسم کی دُوربینیں ایجاد کیں، علاقوں کی پیمائش کرائی، پانیوں کی گہرائی دریافت کی، ستاروں کی رفتاروں اور منازل کے حساب کیے۔ جغرافیائی نقشے مرتب کیے، کرۂ ارضی کا نمونہ وضع کیا، کیمیاوی تجربات کے میدان میں دُور دُور تک تگ و تاز کی، ہوا اور پانی کے ذریعے چلنے والی کئی مشینیں اور گھڑیاں تیار کیں — بارود کو جنگ میں استعمال کرنے کے لیے آلات بنائے۔ غرض ضروریاتِ زندگی نے جدھر سے پکارا اُدھر ہی وہ موجدانہ ذہن لے کر متوجہ ہو گئے۔ جڑی بوٹیوں کی تاثیرات معلوم کیں۔ انہوں نے علم البصریات ایجاد کیا — عینک سازی کا آغاز بھی کیا۔

انہوں نے امتحانی شیشیوں اور نلکیوں کو ہاتھ میں لیا تو دھاتوں کی صفائی اور تکلیس کے تجربات کیے، نمک، شورے اور گندھک کے تیزاب بنا لیے۔ الکلی کی ماہیت دریافت کی، الکحل تیار کی، اور طبی فارماکوپیا کی کثیر التعداد دوائیں تیار کر دیں۔ اور یہی فارماکوپیا عرصۂ دراز تک یورپ کی طبی درسگاہوں اور شفاخانوں میں رائج رہا۔ اور آج بھی مسلمانوں کی دریافت کردہ بنیادی دواؤں کی خاصی تعداد جدید ترین فارماکوپیا میں شامل ہے۔

انہوں نے نشتر ہاتھ میں لیا تو خراب شدہ اعضاء پر جراحی کر کے انسانوں کو تکالیف سے نجات دلائی، جراحی کے لیے مریض کو بیہوش کرنے کا طریقہ نکالا اور کلوروفارم کا استعمال کیا، زخموں کے لیے مرہم ایجاد کیے۔

زخموں کے بگاڑ پر کاوش کرتے کرتے وہ نظریہ جراثیم تک پہنچ گئے۔ قسطنطنیہ میں چیچک کا ٹیکہ ایجاد کیا۔
انہوں نے اپنے اُن کے نو ہندسوں کے ساتھ ہندوستان کا صفر ملا کر اعشاری نظامِ اعداد مکمل کیا۔ الجبرا کی ایجاد کی جس کے بغیر ہیئت اور سائنس میں کام آنے والی ریاضی کام نہیں کر سکتی۔ انہوں نے علمِ مثلثات میں دریافتیں کیں اور جیومیٹری میں خطِ مماس کا استعمال کیا۔

اپنی یہ ساری متاعِ علم انہوں نے ہسپانیہ اور اندلس کی یونیورسٹیوں میں سرِ عام رکھ دی۔ ان کے سامنے قرونِ وسطیٰ کا تاریک یورپ تھا جس کو نہ کھانے کی تمیز تھی، نہ پہننے کی اور نہ رہن سہن کی، جنگلی زندگی بسر کرنے والے لوگ جنہیں مسلمانوں نے روٹی اور کپاسی پارچات اور شکر جیسی چیز سے آشنا کیا اور جو پادریوں کے عنادِ علم کے محبس میں ہر عقلی اور علمی کوشش پر "صلیبی مذہبی عدالتِ جبر" سے مرنے اور جلنے کی سزا پاتے تھے، انہیں ملتِ اسلامیہ نے نہ صرف کھانا پہننا سکھایا، اور مساواتِ انسانی کا درس دیا بلکہ اُن میں سے جتنی تعداد مسلم یونیورسٹیوں میں آنے لگی اُن سب میں اپنے علوم کے خزانے لٹا دیے۔ اُنہیں ڈاکٹر، طبیب، کیمیا دان، ہیئت دان، ریاضی دان بنا دیا۔ انہی یونیورسٹیوں سے وہ اپنے تاریک معاشروں کے خلاف بغاوت کا ایک جذبہ بھی لے کے گئے جس نے ایک طرف اصلاحِ مذہب (REFORMATION) کی تحریک اور دوسری طرف تجدیدِ علوم (RENAISSANCE) کی تحریک کی شکل اختیار کی۔ بعد میں اسی بیداری کے نتیجے میں برطانوی، فرانسیسی اور امریکی انقلاب رُونما ہوئے۔

مگر یورپ کے متعصب پادریوں نے نہ صرف رسولِ خدا کے خلاف بدگوئی کی ایک تحریک چلائی، بلکہ مسلمانوں سے علوم اور ثقافت اخذ کرنے والوں کے خلاف فتوے بھی لگائے۔ مسلمانوں کی نہایت ہی بُری تصویر اپنے خطبوں میں کھینچی۔ خود اسلام کے متعلق غلط فہمیوں کی ایسی دھواں دھار پیدا کر دی کہ لوگوں کے سر چکرا گئے۔ مسلمانوں کے خلاف متعصبانہ نفرت پیدا کر کے جواب میں اُن کے لیے ممنونیت کے جذبات کو بروئے عمل آنے سے روکنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ترقی و بیداری کا رشتہ سیدھا یونان سے ملا یا گیا اور بیچ میں مسلمانوں کے کئی صدیوں کے علمی و سائنسی اور ثقافتی حصے کو غائب کر دیا گیا۔ اس طرح مغرب کا دورِ جدید خدا پرستی کے بجائے لادینیت کی طرف مڑ گیا۔

احسان فراموشی کی انتہا یہ ہے کہ مسلمانوں کی متعدد کتابوں اور ایجادات کو یورپ کے مزعومہ ناموں سے

منسوب کر دیا گیا۔ اور بعض مسلمانوں کے ناموں کو مغربی زبانوں میں ایسا تلفظ دیا گیا کہ خاص خاص ذی فہم لوگوں کے سوا کوئی انہیں مسلمانوں کے نام نہ سمجھے گا۔ قابلِ تعریف ہیں وہ دو چار مصنفین مغربی جنہوں نے حقائق سے پردہ اُٹھا دیا، اور مسلمانوں کے احسانات کا پورے زور سے اعتراف کیا۔

اس ملت کے معیاری دور میں جن ہستیوں کو بھی حکومت تفویض ہوئی انہوں نے چٹائیوں پہ بیٹھ کر اور پیوند لگے کپڑے پہن کر آج کل کے کلرکوں اور چپڑاسیوں کی تنخواہوں کے برابر وظیفے لے کر ایک بڑی سلطنت کامیابی سے چلائی جس کا رقبہ دورِ فاروقی میں (تا محرم ۲۴ھ) پچیس لاکھ مربع میل تھا۔ اس درویش منش فرمانروائے عظیم کا حال یہ تھا کہ کبھی وہ دروازوں پر جا جا کر مجاہدین کی مستورات کے خطوط لکھتا ہے اور محاذ پر روانہ کرتا ہے۔ کبھی وہ بیت المال کے اونٹوں کو تپتے صحرا میں ٹانکتا یا مالش کرتا نظر آتا ہے، کبھی ایک بھوکے مسافر کنبے کے لیے رات کو سامانِ غذا کا بورا پیٹھ پر لاد کر مدینے کے باہر جا پہنچتا ہے، اور اسی فرمانروا کے عزیز صاحبزادے سے جرم سرزد ہوتا ہے تو اپنے ہاتھ سے اس کی پیٹھ پر کوڑے برساتا ہے۔ اس میں ایسے ایسے گورنر پیدا ہوئے جنہوں نے دو درہم روزانہ پر کام کیا۔ اس کے علاوہ امیروں کے لیے لازم تھا کہ وہ پہرے کے بغیر اپنے دروازے ہر شہری اور فریادی کے لیے کھلے رکھیں۔ اس سلطنت میں پیدا ہونے والے ہر فرد حتیٰ کہ ہر نومولود بچے کو وظیفہ ملتا تھا اور سب کی کفالت کی ذمہ داری حکومت پر تھی۔ اس سے پہلے کے درویش حکمران نے قانونِ ادائے زکوٰۃ سے انحراف کرنے والوں اور مرتد ہونے والوں کے خلاف مشکل حالات میں سپاہیوں کو جہاد پر بھیجا۔ ان حکمرانوں کی رائے سے ہر شخص اختلاف کر سکتا تھا، ان کے معاملات پہ تنقید کر سکتا تھا، سرکاری مالیات اور ان کی آمدنیوں اور مصارف کا محاسبہ کرتا تھا۔

ایسی حکومت کی کامیابی کا ایک لازمی تقاضا شہریوں کی پابندیٔ ضبط و نظم تھا، اور شہری ایسے تھے کہ انہیں تحویلِ قبلہ کا حکم حالتِ نماز میں ملا تو انہوں نے فوراً اپنے رُخ بدل لیے اور کوئی فرق پیدا نہیں ہوا۔ سود کی بندش کا حکم آیا تو مالی معاملات میں سود کا شائبہ بھی انہیں گوارا نہ تھا۔ شراب حرام کی گئی تو انہوں نے شراب کے ذخیرے لنڈھا دیے اور ظروف توڑ دیے۔ عورتوں کو زینت چھپانے کا حکم دیا گیا تو پیغمبر کی زبان سے وحی کی آواز سنتے ہی عورتوں نے فوراً سروں اور چہروں کو ڈھانپ لیا [illegible]

کو جب خواتین کا دائرہ عمل حضورؐ نے بتا دیا تو پھر انہوں نے کبھی "دوش بدوش ترقی" کے خواب نہیں دیکھے۔ بعض شہریوں سے گناہ سرزد ہو گئے تو وہ فوراً آ کر اقراری ہوئے اور تقاضا کیا کہ ہم پر سزا نافذ کی جائے۔ احکامِ خدا و رسولؐ میں کوئی اختلافی بحثیں نہ ہوئیں۔ اور کوئی اپوزیشن نمودار نہ ہوئی۔ پوری قوم متحد رہ کر چلی۔

خدا پرستانہ حکومت کا یہ معیاری اور نمونے کا دور حضرت علیؓ کی وفات (سنہ ۴۰ھ) اور حضرت حسن کی دست برداری پر ختم ہو گیا اور بعد میں طرح طرح کی خرابیاں ظاہر ہوئیں۔ مگر پھر بھی دورِ اوّل کی چمک دمک اُس وقت تازہ ہو جاتی رہی جب ہر دو چار حکمرانوں کے بعد کوئی سلطانِ عادل نمودار ہوتا ——— دوسرے حکمران بھی ایسے تھے کہ اُن میں اگر کسی پہلو سے خرابیاں ہوتیں تو کسی دوسرے پہلو میں قرونِ اولیٰ کی روایات کا اثر ظاہر ہونے لگتا۔ خصوصیت سے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ، سلطان صلاح الدین اور شاہ اورنگ زیب عالمگیر کے ادوار انتہائی روشن ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی متعدد قابل قدر سلاطین ہیں جنہوں نے اچھی مثالوں اور روایتوں کو تازہ کیا۔ علماء کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے علم دین کی سلطنت کو حکومت کے دخل سے آزاد رکھا۔

ملتِ اسلامیہ کے قاضی عدل کی ترازو ہاتھ میں لے کر بیٹھے تو وہ جس طرح عام شہری کو طلب کرتے تھے اسی طرح اگر خلیفہ مدعی یا مدعا علیہ ہو تو اُسے بھی بُلا کر فریق ثانی کے برابر کھڑا کرتے اور اپنا فیصلہ نائب خدا کی حیثیت سے دیتے۔ خواہ وہ حکمران کے خلاف ہی کیوں نہ پڑے۔ سیاسی حالات میں بگاڑ آنے کے بعد بھی بیشتر قاضیوں نے عدل کی شاندار مثالیں بغداد اور اندلس اور مصر اور ہندوستان میں قائم کیں۔ راست باز قاضیوں کو اگر اقتدار کی طرف سے رخنہ اندازی سے سابقہ پیش آتا تو وہ مستعفی ہو جاتے۔ اور کسی سلطانِ جائر کے نظامِ عدل میں کوئی دیانت دار فقیہ یا قاضی ہزار ترغیب و ترہیب کے باوجود شرکت نہ کرتا۔

ملتِ اسلامیہ کی ایک خصوصیت چودہ صدیوں میں یہ نمایاں رہی ہے کہ انہوں نے اقلیتوں کے ساتھ ہمیشہ حسن سلوک کیا، ان کی حفاظت کی، اُن کو وظائف دیے اور اُن کو زیادہ سے زیادہ حقوقِ انسانی سے بہرہ مند کیا۔ اس معاملے میں مدینہ کی حکومت کا جو طرزِ عمل رہا، اُس کا ریکارڈ فرمانوں اور معاہدات اور گورنروں اور عاملوں کو دی ہوئی ہدایات کی شکل میں محفوظ ہے۔ بعد میں بغداد کی حکومت ہو یا مصر، اندلس، ترکی اور ہندوستان کی، ہر جگہ اقلیتوں سے ایسا معاملہ کیا گیا کہ کوئی دوسری (باقی اشارات بر صفحہ ۴۲)

تاریخِ انسانی کی دو انقلابی ہجرتیں

ڈاکٹر احمد سجاد - رانچی یونیورسٹی

یوں تو سطحی طور پر ہجرت کے معنی نقل مکانی کے ہیں، مگر حقیقی معنوں میں کسی اہم ترین دینی مقصد یا نصب العین کے تحفظ و بقا اور غلبہ کی خاطر افراد و اقوام کو اگر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا پڑے تو اُسے ہم "ہجرت" سے تعبیر کریں گے۔ بے مقصد یا محض روزی اور روٹی کے لیے تو آئے دن خاندان کے خاندان ایک شہر سے دوسرے شہر اور ایک ملک سے دوسرے ملک میں منتقل ہوتے ہی رہتے ہیں، مگر اُسے "ہجرت" قرار دینا دراصل اس عظیم اصطلاح کا منہ چڑانا ہے۔

انسانی تاریخ کی دو ہجرتیں عجیب و غریب ہوئی ہیں، جن کا تذکرہ عام تاریخوں کے علاوہ قرآن پاک اور صحیفۂ سموئیل میں بھی ہوا ہے۔ لطف یہ ہے کہ ایک ہجرت تین لاکھ[1] افراد کے ساتھ اور دوسری ہجرت صرف دو افراد[2] کے ساتھ ہوئی۔ پہلی ہجرت اللہ کی نگاہ میں مردود قرار پائی، مگر دوسری محبوب و

[1] تدبر قرآن - مولانا امین احسن اصلاحی - جلد اوّل ص ۵۱۹

[2] واضح ہو کہ مکہ میں تیرہ برسوں کی دعوت و تبلیغ کے نتیجے میں گنتی کے جو چند افراد مسلمان ہوئے تھے۔ وہ مسلسل ظلم و ستم کا شکار ہوتے رہے تو انہیں عام ہجرت کا حکم دیا۔ حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔

ایک نے اللہ کے غیظ و غضب کو بھڑکایا مگر دوسری نے اس کے دریائے رحمت میں جوش و خروش پیدا کر دیا۔ اب ان دونوں ہجرتوں کا حال آپ قرآن ہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمالیں۔

(۱)

"کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو ہزاروں کی تعداد میں ہونے کے باوجود موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے بھاگ کھڑے ہوئے تو اللہ نے اُن کو کہا کہ جاؤ، مر جاؤ۔"

(البقرہ - ۲۴۳)

اس واقعہ سے صدیوں بعد دو بے پناہ افراد وطن سے بے وطن ہوتے ہیں تو قرآن کس محبت سے ان کا حال قلم بند کرتا ہے۔

"تم نے اگر نبی کی مدد نہ کی تو کچھ پروا نہیں، اللہ اُس کی مدد اُس وقت کر چکا ہے جب کافروں نے اُسے نکال دیا تھا۔ جب وہ صرف دو میں کا دوسرا تھا۔ جب وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ غم نہ کرو۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اس وقت اللہ نے اُس پر اپنی طرف سے سکونِ قلب نازل کیا اور اُس کی مدد ایسے

؎ الم تر الی الذین خرجوا من دیارھم الوف حذر الموت فقال لھم موتوا۔

نوٹ از مدیر:- اس بحث کے ابتدائی حصے میں دو الگ الگ واقعات اس طرح ملے جلے بیان ہوئے ہیں کہ ایک عام قاری کو مغالطہ ہو سکتا ہے۔ آیت "اُلُوف" (۲۴۳) میں جس ہجرت یا ترکِ مقام کا ذکر ہے وہ مصر سے بنی اسرائیل کے واقعۂ خروج سے بالکل الگ ہے۔ مصر سے تو وہ لاکھوں کی تعداد میں نکلے تھے۔ یہاں کی منتشر ہجرت ہزاروں تک محدود ہے۔ عنوان پڑھ کر یہی توقع ہوتی ہے کہ بنی اسرائیل کی مصر سے ہجرت پر بات ہو گی کہ وہاں سے نکل کر انہوں نے [illegible] بعد میں بحث اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے۔

لشکروں سے کی جو تم کو نظر نہ آتے تھے، اور کافروں کا بول نیچا کر دیا[1]۔ (سورہ براءۃ ۔ ۴۰)

پہلی ہجرت کا تعلق بنی اسرائیل کے واقعہ خروج[2] سے ہے جس کی تفصیل سورۃ بقرہ کے علاوہ سورۃ مائدہ میں اللہ تعالیٰ نے خود ہی پیش کر دی ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے جب اللہ تعالیٰ کے ایما سے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ وہ ظالم کنعانیوں کو ارضِ فلسطین سے نکال کر علاقے کو فتح کر لیں اور وہاں آباد ہو جائیں، تو انہوں نے انتہائی بزدلی، انحراف اور پست ہمتی کا ثبوت دیا۔ طرح طرح کے بہانے کرنے لگے۔ آخر کار اللہ تعالیٰ کا غضب بھڑکا اور اس نے فیصلہ کر دیا کہ اب یوشع اور کالب کے سوا اس قوم کے بالغ مردوں میں سے کوئی بھی اس سرزمین میں داخل نہ ہونے پائے گا۔ یہ قوم چالیس برس ملک بے خانماں پھرتی رہے گی یہاں تک کہ جب ان میں سے ۲۰ برس سے لے کر اوپر کی عمر تک کے سب مرد مر جائیں گے اور نئی نسل جوان ہو کر اٹھے گی تب انہیں فلسطین فتح کرنے کا موقع نصیب ہو گا۔ چنانچہ اس فیصلہ خداوندی کے مطابق بنی اسرائیل کو دشتِ فاران سے مشرق اردن تک پہنچتے پہنچتے پورے ۳۸ برس لگ گئے۔ اس دوران میں وہ سب مر کھپ گئے جو جوانی کی عمر میں مصر سے نکلے تھے[3]۔

اوپر کی جس آیت (البقرہ ۔ ۲۴۳) کا حوالہ دیا گیا ہے اس کا تعلق بنی اسرائیل کی تاریخ کے اس دور سے ہے جس کا ذکر صحیفہ سموئیل میں ہے۔ سموئیل نبی کے ظہور سے ابتدائی دور میں بنی اسرائیل سخت انتشار میں مبتلا تھے۔ اگرچہ تعداد کے لحاظ سے یہ اس وقت تین لاکھ سے زیادہ[4] تھے۔ لیکن شرک، بدعات، بزدلی، بدعقیدگی، بخل، غرور، تکبر، ناشکری اور جہاد سے جی چرانے کی بیماری میں مبتلا تھے۔ جن کے نتیجے میں جن فلسطینیوں پر انہیں حاکم ہونا چاہیے تھا، ان سے الٹے بے حد مرعوب اور مفتوح رہے۔ ان ظالم کنعانیوں نے ان یہودیوں کا قتلِ عام کیا۔ ان سے خدا کا وہ متبرک صندوق[5] چھین کر لے گئے جس کی حیثیت ان کے

---

[1] إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ ..... هِيَ الْعُلْيَا وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ۔

[2] حضرت مسیحؑ سے تقریباً ایک ہزار سال قبل

[3] تفہیم القرآن ۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ ۔ جلد اوّل ص ۱۸۲ ۔ ۱۸۲۔

[4] تدبر قرآن ۔ جلد اوّل ۔ ۲۰ ۔ ۵۱۹ ۔

[5] بنی اسرائیل اصطلاحاً اسے "عہد کا صندوق" بھی کہتے تھے۔ اس میں آلِ موسیٰؑ اور (باقی بر صفحہ آئندہ)

ان بالکل قبلہ کی تھی۔ جس کو وہ اپنی تمام عبادات اور تمام مہمات میں آگے آگے رکھتے تھے۔ ان کے ڈر سے بنی اسرائیل نے اپنے عقرون سے لے کر جات تک کے سارے شہر خالی کر دیے تھے۔ خوف و بزدلی کی یہ موت ان پر بیس برس طاری رہی۔ اس دور کی تفصیلات صحیفۂ سموئیل میں موجود ہے۔

" اور وہاں نہایت بڑی خونریزی ہوئی۔ کیونکہ تیس ہزار اسرائیلی پیادے وہاں کھیت آئے، اور خدا کا صندوق چھن گیا۔" (سموئیل باب ۴ ۱۱)

" ..... تیرے دونوں بیٹے حفنی اور فینحاس بھی مر گئے اور خدا کا صندوق چھن گیا۔ جب اس نے خدا کے صندوق کا ذکر کیا تو وہ کرسی پر سے پچھاڑ کھا کر پھاٹک کے کنارے گرا۔ اور اس کی گردن ٹوٹ گئی ...... اور کہنے لگی اور حشمت[1] اسرائیل جاتی رہی۔"

(سموئیل باب ۴ – ۱۷ – ۲۲)

اس کے بعد سموئیل نبی نے ان کے اندر اصلاح و تجدید کا کام شروع کیا۔ ان کو شرک و بدعت سے توبہ کرنے اور اپنے انتشار کو دور کر کے از سر نو منظم و متحد ہونے کی دعوت دی مگر اس دعوت کے دوران اس بگڑی ہوئی یہودی قوم نے اپنے آس پاس کی غلام قوموں کی طرح ایک بادشاہ کے تقرر کی بھی حضرت سموئیل سے فرمائش کی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) آل ہارون کے تبرکات، پتھر کی وہ تختیاں جو طور سینا پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو دی تھیں، ان کے علاوہ تورات کا وہ اصل نسخہ بھی اس میں تھا جسے حضرت موسیٰؑ نے خود لکھوا کر بنی لاوی کے سپرد کیا تھا۔ نیز ایک بوتل میں من بھی بھر کر اس میں رکھ دیا گیا تھا تاکہ آئندہ نسلیں اللہ تعالیٰ کے اس احسان کو یاد کریں جو صحرا میں اس نے ان کے باپ دادا کو کیا تھا۔ اور غالباً حضرت موسیٰؑ کا وہ عصا بھی اس کے اندر تھا جو خدا کے عظیم الشان معجزات کا مظہر بنا تھا۔

(تفہیم القرآن۔ جلد اول – ۹۰ – ۱۸۹)

(حاشیہ صفحہ ہذا)

[1] حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ وغیرہ کے عہد میں ان کی حشمت شوکت پوری تاریخ میں مثالی رہی۔

"لوگوں نے سموئیل کی بات نہ سنی اور کہنے لگے نہیں، ہم تو بادشاہ چاہتے ہیں جو ہمارے اوپر ہو تاکہ ہم بھی اور قوموں کی مانند ہوں اور ہمارا بادشاہ ہماری عدالت کرے اور ہمارے آگے آگے چلے اور ہماری طرف سے لڑائی کرے ...... خداوند نے سموئیل کو فرمایا تو اُن کی بات مان لے اور اُن کے لیے ایک بادشاہ مقرر کر۔" سموئیل - باب

مگر اس تقرر کے بعد بھی یہودیوں کی نفسانیت نہ گئی - اب قرآن کے الفاظ میں ان کا حال سنیے!

"اُن کے نبیؑ نے ان سے کہا کہ اللہ نے طالوت کو تمہارے لیے بادشاہ مقرر کیا ہے۔" یہ سن کر وہ بولے: "ہم پر بادشاہ بننے کا وہ کیسے حق دار ہو گیا۔ اس کے مقابلے میں بادشاہی کے ہم زیادہ مستحق ہیں۔ وہ تو کوئی بڑا مال دار آدمی نہیں ہے۔" نبیؑ نے جواب دیا کہ "اللہ نے تمہارے مقابلے میں اسی کو منتخب کیا ہے اور اُس کو دماغی و جسمانی دونوں قسم کی اہلیتیں فراوانی کے ساتھ عطا فرمائی ہیں اور اللہ کو اختیار ہے کہ اپنا ملک جسے چاہے دے اور بڑی وسعت رکھتا ہے اور سب کچھ اُس کے علم میں ہے۔"[۱]

آخر وقت کے نبی کے سمجھانے اور یہ بشارت سنانے پر یہودی راضی ہوئے کہ طالوتؑ[۳] ہی کے ہاتھوں وہ متبرک صندوق واپس لائے گا، تمہیں دوبارہ سکون قلب اور عزت نصیب ہوگی۔ دورانِ سفر طالوت نے بھی اپنی قوم کی اصلاح و تربیت کی مسلسل کوششیں کیں مگر لمبے چوڑے دعووں کے باوجود اس بزدل اور نافرمان قوم کے ایک بڑے طبقے نے عین اُس وقت جب کہ جالوت جیسے دشمن کا سامنا تھا، جہاد کرنے سے انکار کر دیا۔

"انہوں نے طالوت سے کہہ دیا کہ آج ہم میں جالوت اور اُس کے لشکروں کا مقابلہ

---

[۱] وقال لھم نبیھم ان اللہ ..... واللہ واسع علیم (البقرۃ - ۲۴۷)

[۲] البقرۃ - ۲۴۷

[۳] بائبل میں اُن کا نام ساؤل لکھا ہے - "یہ قبیلہ بن یمین کا ایک تیس سالہ نوجوان تھا۔ بنی اسرائیل میں اس سے خوبصورت کوئی شخص نہ تھا اور ایسا قد آور تھا کہ لوگ اس کے کندھے تک آتے تھے۔"

(تفہیم القرآن جلد اوّل - ۱۸۹)

کرنے کی طاقت نہیں ہے۔[۱] (البقرہ - ۲۴۹)

آخرکار قلیل التعداد مومنین صالحین اور سموئیل نبی کی دعائیں رنگ لائیں۔ جنگ شروع ہی ہونے والی تھی کہ ایک نہایت بے باک اور بہادر نوجوان چرواہا شریک جہاد ہوکر جالوت کو قتل کر دیتا ہے۔ چنانچہ خوش ہوکر طالوت اپنی لڑکی کی شادی اس نوجوان سے کر دیتے ہیں۔ تاریخ اس نوجوان چرواہے کو آگے چل کر حضرت داؤد کے نام سے یاد کرتی ہے۔ آپ کے صاحبزادے حضرت سلیمان کے عہد میں یہودیوں کو جو عروج نصیب ہوا اس کی نظیر پچھلی تاریخوں میں کہیں نہیں ملتی۔ اس طرح عرصہ تک بزدلی، نافرمانی اور انتشار کے نتیجے میں لاکھوں کی تعداد کے باوجود بنی اسرائیل برسہا برس دربدر کی ٹھوکریں کھا کھا کر ذلیل وخوار ہوتے رہے۔ اسی صورتِ حال کو قرآن پاک نے "جاؤ مرجاؤ" سے تعبیر کیا ہے۔ مگر راہ راست پر آنے کے بعد جب انہیں دوبارہ عزت نصیب ہوئی تو اسے ان کی زندگی سے تعبیر کیا۔

"پھر اللہ نے ان کو زندہ کیا۔ اللہ لوگوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے، لیکن اکثر لوگ شکر گذار نہیں ہوتے۔"[۲]

اب ہم اس مقام پر پہنچ گئے ہیں جہاں سے اسباب ذلت کا جائزہ لینا آسان ہے جن کی بنا پر:۔

"بیس برس گذرے اور اسرائیل کا سارا گھرانا خداوند کے پیچھے نوحہ کرتا رہا۔"
(سموئیل باب - ۲)

یہودیوں پر عذاب وعتاب اور اس ہجرت اولیٰ کی نامقبولیت کے جملہ اسباب کو ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

اولاً انفرادی کمزوریاں اور دوم اجتماعی خرابیاں۔

ان دونوں میں گو کوئی اساسی فرق نہیں کیونکہ ان کے درمیان باہم اینٹ اور دیوار کا سا تعلق ہے۔ اس

---

۱ قالوا لا طاقة لنا اليوم بجالوت وجنوده

۲ ثم احياهم ان الله لذو فضل على الناس ولكن اكثر الناس لا يشكرون
(البقرہ - ۲۴۳)

کے باوجود پورے قرآن پاک کو جاننے دیجیے فی الحال سورۂ بقرہ کی صرف دس آیتوں ۲۴۳ تا ۲۵۳ ہی پر غور کیجیے تو انفرادی کمزوریوں میں ان کی بزدلی، بخل، نفاق، وعدہ خلافی، کبر اور بے صبری پر اللہ تعالیٰ نے انتہائی سخت الفاظ میں تبصرہ کیا ہے۔ نیز اجتماعی خرابیوں میں تقریباً پوری قوم کا جہاد سے جی چرانا — سود خواری کی لعنت میں گرفتار رہنا، امراء کی دغا بازی، دولت پر بے جا گھمنڈ اور شرک و بدعت میں مبتلا ہونے کی بیماری نے انہیں کہیں کا نہ رکھا۔ جالوت اور فلسطینیوں[۱] کے ظلم کے ہاتھوں جب یہ در بدر کی ٹھوکریں کھاتے رہے تھے۔ اس وقت بھی ان کی مذکورہ بالا اخلاقی بیماریوں کا سلسلہ جاری تھا، ان کے نبیؑ ان کی مسلسل اصلاح کرتے رہے مگر وہ بمشکل باز آئے۔

"سموئیل نے اسرائیل کے سارے گھرانے سے کہا اگر تم اپنے سارے دل سے خداوند کی طرف رجوع کرتے ہو تو اجنبی دیوتاؤں اور عستارات کو اپنے بیچ سے دور کرو اور خداوند کے لیے اپنے دلوں کو مستعد کرکے فقط اسی کی عبادت کرو اور وہ فلسطینیوں کے ہاتھ سے تمہیں رہائی دے گا۔"[۲] (سموئیل باب ۷-۲)

جالوت سے جہاد کا موقع ہو یا مالی ایثار و قربانی کا، ندی کا پانی پینے سے رک کر امتحان کا موقع ہو یا توحید و رسالت پر صدق دل سے ایمان لانے کا یہودیوں کی اکثریت ہمیشہ منافقت، نافرمانی اور سرکشی میں مبتلا رہی، جب جب کسی قلیل تعداد نے بھی اپنی اصلاح کر لی تب تب ان کے نبیوں کی دعاؤں اور فضلِ ربی سے ان پر کا عذاب ٹلا اور وہ کامیاب و کامران ہوئے۔ یہی جالوت پر فتح کے وقت ہوا۔

"......کتنی چھوٹی جماعتیں رہی ہیں جو اللہ کے حکم سے بڑی جماعتوں پر غالب آگئی ہیں۔"[۳]

تین لاکھ افراد کی اس ناکام ہجرت کے بالکل برعکس محض چند افراد کی انتہائی کامیاب ہجرت کا واقعہ بھی انسانی تاریخ نے محفوظ رکھا ہے۔ یہ واقعہ نسبتاً زیادہ تفصیل و توضیح کے ساتھ محفوظ ہے، اس لیے یہاں صرف چند اشارات پر اکتفا کیا جائے گا۔

---

[۱] قوم عمالقہ [۲] مذہب قرآن ص ۵۲۱

[۳] کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ واللہ مع الصٰبرین۔ (البقرہ ۲: ۲۴۹)

(۲)

مذکورہ بالا بڑی ہجرت کے مقابلہ میں محمد رسول اللہ کی یہ "چھوٹی" سی ہجرت انسانی تاریخ کا سب سے اہم ترین واقعہ بن چکی ہے۔ یہ ہجرت اللہ کے رسولؐ اور اُن کے یارِ غار حضرت ابوبکرؓ کے سانحۂ نبوت کے تیرھویں سال ۸ ربیع الاول (۲۰ ستمبر ۶۲۲ء) کو واقع ہوئی اور جس کی توصیف خود قرآن پاک ان الفاظ میں کرتا ہے۔

"بیشک اللہ ہی اُس کا رفیق ہے اور جبرائیل اور نیک مسلمان اور اس کے بعد فرشتے مددگار رہیں۔"[1]

اُس وقت تک رسول اللہ کی پاک و صاف زندگی اور عظمت کردار کے باوجود محض مٹھی بھر صالح افراد آپؐ کا ساتھ دے سکے تھے۔ مگر جو بھی تھے سیرت و کردار کے اعتبار سے مسلّم و مستحکم تھے۔ ان چند افراد میں بیشتر نوجوان، عورتیں، بچے، بوڑھے، غلام اور غریب افراد تھے، مگر ان بے نواؤں کے خلاف پورا عرب اُٹھ کھڑا ہوا۔ مخالفت کا طوفان برپا ہوا۔ ظلم، تحریص، دھمکی اور الزام تراشی کے سارے حربے آزمائے گئے۔ قلبی، روحانی اور جسمانی اذیتوں کی جتنی قسمیں تھیں، ان سب کو اُن کی جانِ ناتواں پر آزمایا گیا۔ شعبِ ابی طالب میں برسہا برس دانے دانے کو ترسایا گیا۔ طائف کی گلیوں میں آوارہ غنڈوں کے ذریعے لہولہان کر دیا گیا۔ عقبہ نے حالتِ نماز میں آپؐ پر اونٹ کی اوجھ نجاست سمیت ڈال دی۔ عقبہ بن ابی معیط نے چادر گردن میں کس کر گرا دیا تو حضرت ابوبکرؓ رو رو کر یہ کہتے جاتے تھے۔ اور ان کی گردن کو چھڑاتے جاتے کہ:

"اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ؟"

(کیا ایک شخص کو صرف اس لیے مار ڈالو گے کہ یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے؟)

یہ تمام مصائب صرف اس جرم کی پاداش میں تھے کہ آپ کا اعلان یہ تھا کہ:

"خدا ایک ہے اور میں اُس کا پیغمبر ہوں۔ اور جن کی دعوت یہ تھی کہ کہہ دو کہ "آؤ میں تمہیں سناؤں کہ خدا نے کیا چیز حرام کی ہیں۔ یہ کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ اور والدین کا

---

[1] فان اللہ ھو مولاہ وجبریل وصالح المؤمنین والملائکۃ بعد ذلک ظہیر۔
(تحریم-۴)

حق خدمت بجا لاؤ اور اپنے بچوں کو افلاس کے خیال سے قتل نہ کرو۔ ہم تم کو اور ان کو دونوں کو روزی دیں گے۔ فحش باتوں کے پاس نہ جاؤ۔ وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ اور آدمی کی جان جس کو خدا نے حرام کیا ہے۔ ناحق ہلاک نہ کرو۔

(انعام - ۱۹۷)

"اے لوگو! لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہو تو کامیاب رہو گے اور عرب قوم کے حاکم بن جاؤ گے اور اس کلمہ کے سبب عجم کے لوگ تمہارے تابع بن جائیں گے۔ اور جب تم ایمان لاؤ گے تو جنت میں بادشاہ بن جاؤ گے"

(زاد المعاد - ص ۱۹۶)

یہ اور اس طرح کی عمدہ تعلیمات کے باوجود اللہ کے آخری رسولؐ اور اُن کے گنے چنے ساتھیوں پر ظلم و بہیمیت کے تمام ہتھکنڈے آزمائے گئے، مگر ان میں سے کسی نے کبھی یہودیوں کی طرح اپنے نبیؐ سے یہ نہیں کہا کہ:-

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ (مائدہ - ۴)

(تم مع اپنے خدا کے جاؤ اور لڑو، ہم یہاں بیٹھے رہیں گے)

بلکہ اس کے برعکس مکہ کے حالات مسلمانوں کے لیے جب ناقابل برداشت ہو گئے تو اللہ کے رسولؐ نے انہیں گھر بار چھوڑ کر محض رضائے الٰہی اور تحفظ ایمان کی خاطر ہجرت حبشہ[1] کا حکم دے دیا۔ بالآخر امرِ ربی کے مطابق جب خود بھی ہجرت کی تیاری شروع کر دی تو اُن کے رفیق (حضرت ابوبکرؓ) ہاتھ بصد شوق فوراً ہی دریافت کیا کہ "کیا میں ساتھ رہوں گا؟" اور حضورؐ نے سفر ہجرت کی رفاقت کا اعزاز انہیں عطا کر دیا۔ اسی طرح نوعمر حضرت علیؓ کے عشق خدا و رسولؐ کا یہ حال تھا کہ جان کی بازی لگا کر حضورؐ کے بستر پہ سو رہے کیونکہ وقت کے رسولؐ کو قتل کر دینے کی اسکیم مکمل ہو چکی تھی۔ چنانچہ اس حال میں فرشتوں کی مدد سے قاتلوں کے مقرر کردہ پہرہ داروں کی آنکھوں میں خاک ڈالتے ہوئے دونوں ساتھی آرام سے نکل گئے۔

---

[1] پہلی بار ۱۱ مرد اور ۴ عورتوں نے رجب ۴۵ عام الفیل (۵ بعد بعثت) میں اور دوسری بار ۴۶ عام الفیل یا ۶۱۵ء (۶ بعد بعثت) کو ۸۰ سے زائد مرد اور ۱۸ - ۱۹ عورتوں کو ہجرت حبشہ کی اجازت دے دی۔

قرآن کا بیان اس صداقت کی تائید ان الفاظ میں کرتا ہے:۔

"اور ہم نے اُن کے سامنے اور پیچھے آڑ کر دی اور اُن پر غشی طاری کر دی جس سے وہ دیکھ نہ سکے"۔ (یٰس - ۹)

بنی اسرائیلیوں کی غلامانہ ذہنیت، بخل و بزدلی اور شرک و سرکشی کے بجائے جان نثارانِ اسلام نے انتہائی ایثار، جرات مندی، خدا ترسی اور صبر و استقامت کا ہر ہر قدم پر مظاہرہ کیا — حضرت ابوبکرؓ ہجرت سے قبل نہایت خوشحال تاجر تھے۔ مگر مظلوم مسلمانوں کی مدد میں ہزاروں درہم خرچ کے باوجود ہجرت کے وقت بھی چھ ہزار درہم کے ساتھ نکلے۔ حضرت صہیب رومیؓ ہجرت کرنے لگے تو کفارِ مکہ نے ان کی زندگی بھر کی کمائی رکھوالی اور وہ خالی ہاتھ کوچ کر گئے تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان الفاظ میں ستائش کی۔

"اور بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ کی رضامندیوں کو حاصل کرنے کے لیے اپنے نفس کو بیچ دیتے ہیں، اور اللہ ایسے بندوں پر مہربان ہے"۔

حضرت ابو سلمہؓ کو تو اپنی بیوی اور بچے کو بھی ساتھ لے جانے کی اجازت نہ ملی۔ ایک بوڑھے مہاجر نے درازیٔ عمر اور خرابیٔ صحت کے باوجود ہجرت کی تو مکہ اور مدینہ کے درمیان دس روزہ انتہائی صبر آزما سفر کے اثنا میں راہ ہی میں ان کی جان لے لی۔ اور قرآن نے گواہی دی کہ:۔

"جو شخص اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا تو وہ زمین میں بہت زیادہ فارغ البالی اور کشادگی پائے گا۔ اور جو اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کی غرض سے نکلے پھر اسے موت پالے تو اُسی کا اجر اللہ پر واقع ہو جاتا ہے اور اللہ غفور و رحیم ہے"۔

الغرض رسولؐ اللہ کی صحبت نے مہاجرین کو انتہائی جری، جاں نثار اور مادی اغراض سے بالکل بے نیاز کر دیا تھا۔ آج جس مادیت اور شکم پرستی کو ہر عمل کا محرک ثابت کیا جاتا ہے وہ ان مہاجرینؓ کو چھو بھی نہیں گئی تھی۔

مہاجرین کی طرح انصار نے بھی کلمہ کی بنیاد پر اپنی ایسی تربیت کر لی تھی کہ تاریخ اُس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ ہجرت سے برسوں قبل انتہائی صبر آزما حالات میں بھی رسول اللہ نے موسم حج میں ایک سال عقبہ کے پاس یثرب کے چھ انصاریوں کو مشرف بہ اسلام کیا اور اسی مقام پر دوسرے

سال مزید کئی افراد کو دولتِ اسلام سے مالا مال کیا۔ مگر قبول اسلام کے وقت انصاریوں نے جس ولولہ خیز انداز میں اپنے تاثرات کا اظہار کیا وہ آج بھی ایمان افروز ہیں۔ وہ لوگ بیعت کے لئے کھڑے ہوئے تو اسعد بن زرارہؓ نے جو اُن میں سب سے چھوٹی عمر کے تھے۔ آپ کا ہاتھ پکڑا اور اپنے قبیلے کو بنی اسرائیلیوں کے بالکل برعکس للکار کر یہ کہا:۔

"اہل یثرب ٹھہرو۔ ہم آپ کے پاس اونٹوں پر سوار ہو کر یہ جاننے کے بعد آئے ہیں کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں اور آج آپؐ کو نکالنے کے معنی پورے عرب کی دشمنی اور اپنے خلاف تلواروں کی دعوت دینا ہے۔ اس لئے اگر تم اس ذمہ داری پر جم سکتے ہو تو آپ کو لے چلو، اللہ تمہیں اجر دے گا۔ اور اگر تمہیں اپنی جان کا خوف ہو تو پھر آپؐ کو چھوڑ دو۔ آپؐ اللہ کے یہاں تمہیں معذور قرار دیں گے۔ یہ سن کر لوگوں نے کہا کہ ہاتھ بڑھاؤ ہم اس بیعت کو چھوڑ نہیں سکتے۔ نہ ہی اس سے چھٹکارا ڈھونڈنے کی سوچ سکتے ہیں۔

(زاد المعاد صفحہ ۱۹۹)

اور پھر ان جانثاروں نے یثرب کے گھر گھر میں اسلام کو روحِ عصر کی طرح جاری و ساری کر دیا۔ چنانچہ انہیں حضورؐ کی ہجرت کی خبر ملی تو چار دنوں تک شہر سے نکل کر صحرا میں گھنٹوں انتظار کرتے دھوپ کی شدت بہت بڑھ جاتی تو اپنے گھروں کو واپس جاتے۔ جیسے ہی انہیں خبر ملی کہ حضورؐ بس آپہنچے تو بعض قبائل کے سرفروشوں نے قبا سے مدینہ تک ہتھیاروں سے سج کر آپؐ کا دو رویہ کھڑے ہو کر استقبال کیا۔ ہر قبیلہ سامنے آ کر عرض کرتا:۔

"حضورؐ! یہ گھر ہے۔ یہ مال ہے، یہ جان ہے"

(سیرت النبی۔ ج ۱۔ ص ۲۷۰)

جوش کا یہ عالم تھا کہ پردہ نشین خواتین چھتوں پر نکل آئیں اور استقبالیہ گیت گانے لگیں۔

"چاند نکل آیا ہے
کوہ وداع کی گھاٹیوں سے
ہم پر خدا کا شکر واجب ہے۔

جب تک دعا مانگنے والے دعا مانگیں [1]

معصوم لڑکیاں دف بجا کر گاتیں ۔

ہم خاندان نجار کی لڑکیاں ہیں ۔

محمدؐ کیا اچھے ہمسائے ہیں [2]

حضرت ابو ایوب کے عشق رسول کا یہ حال تھا کہ اپنے مکان کی نچلی منزل حضورؐ کی پسند کے مطابق پیش کی ۔ آپؐ کی خدمت میں دو وقتہ کھانا بھیجتے اور آپؐ جو چھوڑ دیتے وہی میاں بیوی کے حصے میں آتا ۔ ایک دن اتفاق سے بالائی منزل پہ پانی کا برتن ٹوٹ گیا ۔ اندیشہ ہوا کہ پانی بہہ کر نیچے جائے گا اور حضورؐ کو تکلیف ہو ۔ گھر میں اوڑھنے کا صرف ایک لحاف تھا ۔ حضرت ابو ایوب نے اس کو پھیلتے ہوئے پانی پر ڈال دیا تاکہ پانی جذب ہو جائے [3] آپؐ سات ماہ تک وہاں مہمان رہے ۔

بعد میں مہاجرین اور انصار کے درمیان آپؐ نے مواخاۃ قائم کر دی تو انصار نے مہاجرین کو ساتھ لے جا کر گھر کی ایک ایک چیز کا جائزہ دے دیا کہ آدھا آپ کا اور آدھا ہمارا ہے ۔ سعد بن الربیع جو عبدالرحمٰن بن عوف کے بھائی قرار پائے ان کی دو بیویاں تھیں ۔ عبدالرحمٰنؓ سے کہا کہ ایک کو میں طلاق دیتا ہوں آپ اس سے نکاح کر لیجئے لیکن انہوں نے اظہار تشکر کے ساتھ انکار کیا ۔

مہاجر تجارت پیشہ تھے اور انصار باغبان و کاشتکار ۔ چنانچہ کھیتی کی نصف پیداوار بخوشی اپنے مہاجر بھائی کو دے دیتے ۔ یہ رشتہ بالکل حقیقی رشتہ بن گیا ۔ کوئی انصار مرتا تو اس کی جائیداد اور مال مہاجر کو ملتا تھا اور حقیقی غیر مسلم بھائی بند محروم [4] رہتے ۔ یہ اس فرمان الٰہی کی تعمیل تھی ۔

" جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور خدا کی راہ میں مال و جان سے جہاد کیا اور وہ

---

[1] طلع البدر علینا من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا ما دعیٰ للہ داع

[2] نحن جوار من بنی النجار
یا حبذا محمد من جار

[3] سیرت النبی جلد اول ص ۲۶۹ [4] ایضاً ص ۲۸۵

لوگ جنہوں نے ان لوگوں کو پناہ دی اور اُن کی مدد کی، یہ باہم دگر بھائی بھائی ہیں۔

(الانفال - ۱۰)

یہ سلسلہ جنگِ بدر تک جاری رہا اور جب مہاجرین کو اعانت کی ضرورت نہ رہی تو یہ آیت آ گئی۔

"ارباب قرابت ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں۔" (الانفال - ۱۰)

"رشتہ داروں میں بعض بعض کے زیادہ مستحق ہیں۔" (احزاب - ۱)

چنانچہ علامہ شبلیؒ رقمطراز ہیں کہ:

"انصار نے مہاجرین کی مہمانی اور ہمدردی کا جو حق ادا کیا دنیا کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ بحرین جب فتح ہوا تو آنحضرتؐ نے انصار کو بلا کر فرمایا کہ میں اس کو انصار میں تقسیم کر دینا چاہتا ہوں۔ انہوں نے عرض کی کہ "پہلے ہمارے بھائی مہاجرین کو اتنی ہی زمین عنایت فرما دیجیے، تب ہم لینا منظور کریں گے"۔[۱]

حضرت ابو طلحہ انصاریؓ نے حضورؐ کے اشارے پر ایک بھوکے کو جب خود بھوکا رہ کر کھانا کھلا دیا تو خود اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں اس واقعہ کی تحسین یوں کی ہے:۔

"اور گو اُن کو خود تنگی ہو، تاہم اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں"۔ (حشر - ۱۱)

ایثار و قربانی کا یہ معاملہ محض انفرادی سلوک تک محدود نہ تھا بلکہ ہجرت کے فوراً ہی بعد سورۃ حج کے ذریعہ ظالموں کے خلاف حکم جہاد[۲] و قتال نازل ہوا تو پوری یثربی برادری فتح مکہ تک حضورؐ کے ساتھ مسلسل غزوات، سرایا اور دوسرے طریقوں سے جان و مال کی قربانیاں پیش کرتی رہی۔ یہاں تک کہ یدخلون فی دین اللہ افواجا کا منظر سامنے آیا اور پھر اسلامی انقلاب سے پورے عرب کی کایا پلٹ گئی۔

حضورؐ نے مدینہ پہنچ کر قرآنی ہدایات کی روشنی میں بالخصوص تین باتوں پر اپنی توجہ مرکوز کر دی اور جسے انصار و مہاجرین نے بھی پوری اہمیت دی:۔

۱۔ قرآن و سنت کی روشنی میں اہل ایمان کے فکر و عمل کا ایک خاص نہج بنا کر اُن کو باہم منظم و مربوط

---

[۱] سیرۃ النبی جلد اول ص ۲۹۱

[۲] اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرٌ۔

کر دیا۔

۲۔ مسلمانوں میں کامل درجے کی اخوت و مساوات پیدا کر دی۔

۳۔ آیاتِ جہاد وغیرہ کی روشنی میں منصوبہ بند دفاعی اور تربیتی نظام قائم کر کے یکے بعد دیگرے دشمنوں کو زیر کرتے چلے گئے، یہاں تک کہ خلافتِ اسلامیہ کی بنیادیں مستحکم کر دیں۔ اور اقامتِ دین اور نفاذِ شریعت نیز اجرائے حدود اللہ کے لیے ایک مکمل سیاسی و اخلاقی نظام مرتب کر دیا۔ اس طرح پوری ملتِ اسلامیہ کو قرآنی صبر و شکر کا عادی بنا دیا۔ چنانچہ فتح مکہ کے بعد عفو و درگذر کا یہ حال تھا کہ ابوسفیان اور ہندہ جگر خوار تک کو معاف کر دیا۔ حد تو یہ ہے کہ آپؐ کے مکان پر عقیل بن ابی طالب نے ہجرت کے معاً بعد جو ناجائز قبضہ کر لیا تھا، اُس کو بھی خالی نہ کرایا، بلکہ علیٰ حالہٖ رہنے دیا۔ اس مثالی نمونے کی تقلید بعد میں دوسرے مہاجرین نے بھی کی کہ اپنے آبائی مکانوں پر دشمنوں کا قبضہ باقی رکھا۔ اور یوں دشمنوں کا دل جیت کر انہیں اپنا دوست بنا لیا۔ اور اسلامی انقلاب کی راہ ہموار کر لی۔

گویا یہ بظاہر معمولی سی ہجرت نہ صرف مدینہ و مکہ ہی کی فتح کی بنیاد نہیں بنی — بلکہ قرآن و سنت کی بنیاد پر آگے چل کر اس وقت کی معلوم دنیا کی فتح کا سنگِ میل بن گئی۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی دوسری قوموں کے برعکس حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دورِ خلافت میں حضرت علیؓ اور دوسرے اجل صحابہؓ کے مشورہ سے اپنا کیلنڈر نہ حضورؐ کے یوم پیدائش سے شروع کیا، نہ فتح مکہ سے، نہ فتح ایران و روم سے بلکہ واقعۂ ہجرت سے شروع کیا۔ حالانکہ اقوام کی مثالیں دوسری طرح کی تھیں۔ البیرونی نے لکھا ہے کہ:۔

"قوموں کا طریقہ اس بارے میں یہ رہا ہے کہ بانیانِ حکومت و مذاہب کی پیدائش، بادشاہوں کی تخت نشینی، انبیاء کی بعثت، مُلکوں کی فتح و تسخیر، سلطنت کے انقلاب و انتقال اور حوادثِ عظیمۂ ارضیہ سے تواریخ و سنین کی ابتدا کیا کرتے ہیں۔" (آثار الباقیہ ص ۲ - بیرونی)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ دنیا کی دوسری قوموں کے برعکس مسلمانوں نے فتح و اقبال کے بجائے بے چارگی و درماندگی کے واقعہ سے اپنی تاریخ شروع کی۔ بلاشبہ اُن کا یہ نقطۂ نظر دنیا کی ساری قوموں سے مختلف تھا، لیکن اُس حکمت و بصیرت کے عین مطابق تھا، جو اسلام کی تربیت نے اُن کے اندر پیدا کر دی تھی۔ وہ اپنی اجتماعی

بحوالہ مضامین الہلال — مولانا ابوالکلام آزاد ص ۲۱۳

زندگی کی تعمیر فوجوں کی تقلید سے نہیں، بلکہ اسلام کی رُوح فکر و عمل سے کرنا چاہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ دوسری ہجرت پہلی کے مقابلے میں نفری تعداد اور زمانی طوالت کے اعتبار سے بہت کم ہونے کے باوجود پوری انسانی تاریخ میں عبرت و عظمت اور موعظت میں اپنی مثال آپ ہے۔ بقول مولانا ابوالکلام آزاد:

"یہ دُنیا کی تمام قومی یادگاروں کی طرح قوت کی کامرانیوں کی یادگار نہیں ہے بلکہ کمزوری کی فتحمندیوں کی یادگار ہے۔ یہ اسباب و وسائل کی فراوانیوں کی یادگار نہیں ہے۔ بے سروسامانیوں کی کامیابیوں کی یادگار ہے۔ یہ طاقت اور حکومت کے جاہ و جلال کی یادگار نہیں ہے۔ محکومی و بے چارگی کے ثبات و استقلال کی یادگار ہے۔ یہ فتح مکّہ کی یادگار نہیں ہے جسے دس ہزار تلواروں کی چمک نے فتح کیا تھا۔ یہ فتح مدینہ کی یادگار ہے، جسے تلواروں کی چمک نے نہیں بلکہ ایک آوارۂ غربت اور بے سروسامانی کی رُوحِ ہجرت نے فتح کیا تھا"[1]

---

[1] مضامین الہلال - ص ۹۴-۱۹۳

امام ابوداؤدؒ

۲۰۲ھ تا ۲۷۵ھ

جناب عبدالرشید عراقی صاحب

نام ونسب | نام سلیمان بن اشعث بن اسحاق کنیت ابوداؤد۔ سیستان کے رہنے والے تھے۔ سیستان کا معرب سجستان ہے۔ اس لیے وطن کی طرف منسوب ہوکر سجستانی کہلاتے ۔

تحصیل علم | امام صاحب نے جب ہوش سنبھالا تو اس وقت علم حدیث کا حلقہ بہت وسیع ہوچکا تھا اور علم حدیث اکناف عالم میں پھیل چکا تھا۔ آپ نے اس وقت کے تمام مشہور اساتذہ سے اکتساب علم کیا۔

اساتذہ وشیوخ | حافظ ابن حجر نے امام صاحب کے اساتذہ کی تعداد تین سو سے زائد بتائی ہے۔ تاہم ان کے مشہور اساتذہ یہ ہیں۔ امام احمد، ابوالولید طیالسی، مسلم بن ابراہیم اور یحییٰ بن معین[۱]

تلامذہ | آپ کے تلامذہ بھی اپنے زمانے کے اساطین فن تھے۔ امام ترمذی اور امام نسائی آپ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔[۲]

زہد وتقویٰ | امام ابوداؤد فقہ، حفظِ حدیث، زہد، عبادت، یقین توکل میں یکتا ئے روزگار تھے۔[۳]

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ ص ۱۵۳ — [۲] ایضاً

[۳] اتحاف النبلاء ص ۲۵۷

ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ ورع و تقویٰ ، عفت و عبادت کے بہت اُونچے مقام پر فائز تھے[۱]۔ حافظ موسیٰ بن ہارون حضرت امام صاحب کے فضل و علم کا اعتراف ان الفاظ میں کرتے ہیں کہ :

ابوداؤد دُنیا میں حدیث کے لیے اور آخرت میں جنت کے لیے پیدا کئے گئے تھے میں نے اس سے افضل کسی کو نہیں دیکھا[۲]۔

امام حاکم کی رائے یہ ہے کہ " امام ابوداؤد بلا شک و ریب اپنے زمانے میں محدثین کے امام تھے[۳]"

امام ابوداؤد کا مسلک اس بارے میں علمائے کرام کا اختلاف ہے کہ اُن کا مسلک کیا ہے ۔ کیا محدثین کے ساتھ ہمیشہ یہی ہوتا رہا ہے کہ مختلف مسلک والوں نے اُن کو اپنے مسلک کا حامی یا پیرو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے ۔

السید نواب صدیق حسن خاں (م ۱۳۰۷ھ) نے لکھا ہے ۔ کہ امام ابوداؤد شافعی تھے[۴]۔ مولانا السید محمد انور شاہ صاحب کشمیری (م ۱۳۵۲ھ) بحوالہ امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ امام ابوداؤد حنبلی تھے[۵] اور مولانا خلیل احمد سہارن پوری (م ۱۳۴۶ھ) فرماتے تھے کہ امام ابوداؤد کے سنن و تراجم پر غور کرنے کے بعد اس میں شک کی گنجائش نہیں رہتی کہ امام موصوف نے اپنی سنن میں بہت سے مقامات پر دوسری ثابت و معروف روایات کے مقابلے میں ان احادیث کو ترجیح دی ہے جن سے امام احمد کے مسلک کی تائید ہوتی ہے[۶]۔

تصنیفات سنن ابوداؤد ۔ سنن مراسیل ، الرد علی القدریہ ، الناسخ والمنسوخ ، ماتفرد بہ اہل الامصار ، فضائل الانصار ، مسند مالک بن انس ، المسائل معرفۃ الاوقات والاخوۃ ، کتاب بدء الوحی[۷]۔

سنن ابی داؤد ان کی سب سے زیادہ اہم کتاب ہے ۔

سنن ابوداؤد سنن ابوداؤد کی ترتیب و تسوید حضرت امام کا بہت بڑا کارنامہ ہے ۔ اس کے

---

[۱] مرقاۃ جلد ۱ ص ۲۲	[۲] محدثین عظام اور اُن کے علمی کارنامے ۔ ص ۱۰۳

[۳] وفیات الاعیان جلد ۲ ص ۱۳۹	[۴] اتحاف النبلاء	[۵] فیض الباری

[۶] بذل المجہود جلد ۱ ص ۴۰	[۷] تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۴۹ ۔

زمانہ تالیف کا صحیح تعیین نہیں کیا جاسکا - تاریخ اس بارے میں خاموش ہے۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ:-

" جب امام ابوداؤد سنن کی تالیف سے فارغ ہونے تو اُس کو اپنے استاد حضرت امام احمد بن حنبل کے سامنے پیش کیا - انہوں نے اُس کو بہت پسند کیا[1] اور امام احمدؒ کا سنِ وفات ۲۴۱ھ ہے - اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اُس وقت تالیف سے فارغ ہو چکے تھے اور سنن کی تالیف ۲۴۱ھ سے پہلے ہے"۔

سنن ابوداؤد کی وجہ تالیف امام ابوداؤد نے جس زمانے میں آنکھیں کھولیں تو انہوں نے ضرورت محسوس کی کہ فنِ حدیث میں ایک نئے انداز کی کتاب کی گنجائش ہے جس میں ان احادیث کا استیعاب ہو، جن سے ائمہ فن نے اپنے مذاہب پر استدلال کیا ہو۔

علامہ ابن القیم رم ۷۵۱ھ) فرماتے ہیں کہ:-

" حفاظ حدیث کی ایک جماعت ایسی تھی جس نے ضبط و حفظ میں پوری توجہ کی - لیکن اُس نے نہ تو مسائل کے استنباط کی طرف توجہ کی، نہ تو ان خزانوں سے احکام نکالنے کی کوشش کی جو سرمایہ حدیث نے محفوظ کر رکھا تھا - اس کے مقابل ایک جماعت ایسی تھی جس نے اپنی پوری توجہ استنباطِ مسائل اور اُس میں غور و فکر کی طرف رکھی"[2]

اُس وقت ایک ایسی جماعت معرضِ وجود میں آچکی تھی جو صرف احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روایت کرتی تھی اور یہ جماعت ائمہ مجتہدین کی فقہی باریکیوں سے ناواقف تھی - اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک ایسا گروہ پیدا ہوگیا جنہوں نے ائمہ پر نقد و جرح شروع کردی - اس کا ثبوت کتبِ تاریخ میں موجود ہے، جیسے کہ ابو حاتم رازی نے امام شافعیؒ پر سخت تنقید کی اور یہ فرمایا -

" امام شافعیؒ فقیہ ہے - لیکن حدیث سے ناواقف"[3]۔

اس لیے امام ابوداؤد نے فقہاء کے استدلات کو اپنی کتاب میں جمع کرنے کی کوشش کی - اس پر

---

[1] مرقاۃ جلد ۱ ص ۲۲ [3] الجواہر المضیئہ جلد ۳ ص ۸۴۳

[2] محدثین عظام اور اُن کے علمی کارنامے ص ۱۷۷

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) فرماتے ہیں۔

"کہ اُن کا مقصد یہ تھا کہ ایسی احادیث کو یک جا کر دیں جس سے فقہاء استدلال کرتے ہیں[1]"

سنن کی مقبولیت سنن کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ اس کو ہر زمانے کے علمائے کرام اور فقہائے عظام نے قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ امام ابن القیم کی رائے یہ ہے کہ:

"امام ابو داؤد نے ایسی کتاب لکھی ہے جو مسلمانوں کے درمیان حکم ثابت ہوئی اور اختلافی مسائل میں فیصلہ کن ٹھہری[2]"

تعلیم کے اعتبار سے سنن ابوداؤد کا صحاح ستہ میں مقام تعلیم کے اعتبار سے اس کا مقام معلوم کرنے سے پہلے صحاح ستہ کے مقاصد کو مدِ نظر رکھنا ضروری ہے۔ چونکہ مؤلفینِ صحاح ستہ نے اپنے ذوق کے مطابق اپنی اپنی کتابوں میں انتخاب کیا ہے۔

امام بخاریؒ کے پیشِ نظر طرقِ استنباط و استخراجِ مسائل ہے۔ جو اُن کے تراجم الواب سے ظاہر ہے۔ اہلِ درس کا مشہور مقولہ ہے کہ "بخاری کی ساری کمائی اُن کے تراجم میں ہے"۔

امام مسلم نے اپنی کتاب میں صحیح احادیث کو مختلف اسانید سے یکجا بیان کر دیا ہے۔

امام ابوداؤد نے ائمہ فن کے مستدلات کو موضوع قرار دیا۔

امام ترمذی کا مقصد بیان مذاہب ہے۔

امام نسائی کی غرض عللِ حدیث پر تنقید کرنا ہے۔

امام ابن ماجہ نے غیر معروف روایات کو بیان کرنا اپنے پیشِ نظر رکھا۔[3]

اُوپر کی عبارت سے ہمارے سامنے ان کتابوں کے اغراض و مقاصد آ گئے ہیں۔ اس لیے احادیث کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے مولانا سید انور شاہ مرحوم صدر مدرس دار العلوم دیوبند نے جو نصاب بنایا ہے اُس کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے مولانا سید انور شاہ فرماتے ہیں۔

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ جلد ۱ ص ۳۵۰

[2] محدثین عظام اور اُن کے علمی کارنامے ص ۱۷۷

[3] تدریب الراوی

"مشکوٰۃ شریف کے بعد ترمذی کی تعلیم دینی چاہیے۔ کیونکہ سب سے پہلے طالب علم کو ائمہ کے مذاہب معلوم ہونے چاہییں۔ پھر مزید برآں ائمہ کے دلائل جاننے کی ضرورت ہے، اس کے لیے سنن ابوداؤد کا وظیفہ ہے۔ پھر طریق استنباط و طرز استدلال معلوم ہونا چاہیے۔ اس کے لیے صحیح بخاری کا وظیفہ ہے۔ پھر اس کے بعد مزید تائید کے لیے مسلم شریف کو پڑھنا چاہیے، کیونکہ وہ صحیح احادیث کو مختلف اسانید سے یکجا روایت کرتے ہیں۔ پھر عللِ حدیث جاننے کے لیے نسائی کا مقام ہے۔ جہاں وہ ھذا منکر وھذا صواب کہتے ہیں۔ پھر کھرے اور کھوٹے جاننے کے لیے سنن ابن ماجہ کا درجہ ہے"۔

اس گفتگو سے اب یہ بالکل واضح ہو گیا کہ تعلیم کے لحاظ سے سنن ابوداؤد کا درجہ ہے[1]

صحاح ستہ میں صحت کے لحاظ سے سنن ابوداؤد کا مقام یہ بات متفق علیہ ہے کہ بخاری مسلم کو سنن اربعہ پر صحت کے لحاظ سے فضیلت حاصل ہے، لیکن اس کے بعد کی ترتیب میں علماء کا اختلاف ہے۔

مولانا انور شاہ صاحب مرحوم فرماتے ہیں کہ بعض حضرات نے نسائی کو تیسرا درجہ دیا ہے اور بعض نے جامع ترمذی کو[2]

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (م ۱۲۳۹ھ) نے جہاں کتب حدیث کے طبقات بیان فرمائے ہیں، وہاں سنن ابوداؤد کو دوسرے طبقے میں شمار کیا ہے[3]۔

صاحب مفتاح السعادۃ نے بھی سنن ابوداؤد کو صحیح مسلم کے بعد رکھا ہے[4]۔

تعداد روایات سنن ابوداؤد کی روایات کی تعداد ۴۸۰۰ ہے، مزید برآں ۶۰۰ مراسیل بھی ہیں[5]۔

اصل دین امام ابوداؤد کی نظر حدیث وسنت کے معاملہ میں اتنی وسیع تھی کہ لاکھوں احادیث کی

---

[1] العرف الشذی۔ [2] ایضاً۔ [3] عجالہ نافعہ۔

[4] محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے ص ۱۶۹۔

[5] ایضاً ص ۱۸۴۔

جہان بین سے بعد سنن کا یہ نسخہ مرتب فرمایا، جن میں ۵۰ ہزار کے قریب احادیث ہیں۔ لیکن ان کی اپنی رائے یہ تھی کہ اگر آدمی سمجھدار ہو تو اس کی دُنیا و عقبیٰ کی فلاح صرف چار احادیث کے فہم وعقل پر موقوف ہے جو یہ ہیں:-

۱- "تمام اعمال کی مقبولیت کا دار و مدار صرف نیتوں پر ہے"۔

۲- "انسان کے اسلام کا حسن یہ ہے کہ لایعنی باتوں کو چھوڑ دے"۔

۳- "مومن حقیقی مومن نہیں ہو سکتا کہ جب تک اپنے بھائی کے لیے وہی بات پسند نہ کرے جس کو اپنے لیے پسند کرتا ہے"۔

۴- "حلال و حرام واضح ہیں مگر اُن کے درمیان بعض مشتبہ و مشکوک چیزیں بھی ہیں، جو اُن سے بچے گا، وہ اپنے دین اور اپنی عزت کو محفوظ کر سکے گا"۔

امام ابوداؤدؒ نے ان چار حدیثوں کو انسان کے لیے کافی بتایا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ زندگی کے سارے معاملات پر حاوی ہیں۔

مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ کافی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دین کے مشہودات و قواعد کلیہ جاننے کے بعد جزئیات دین معلوم کرنے کے لیے کسی مجتہد کو ضرورت باقی نہیں رہتی[۱]

غرض یہ کہ اگر کوئی شخص ضروریات دین سے واقف ہے اور ان موٹی موٹی باتوں پر عمل پیرا ہے، جو بنیادی اور اساسی ہیں، تو ان چار حدیثوں کو مدنظر رکھتے ہوئے جو درحقیقت زندگی کے چار اصول ہیں اس کی دُنیا و عقبیٰ کی تمام اُلجھنیں دُور ہو جائیں گی، اور دُنیا میں یوں رہے گا جیسے جنت میں ہے۔

پہلی حدیث اعمال زندگی میں سے اس زرّیں اصول کی طرف رہنمائی کرتی ہے کہ اس کارخانۂ تگ و دو میں اصل شے نیتوں کا اخلاص ہے، اعمال کا حجم یا ضخامت نہیں، لبا اوقات ایک عمل جو اپنے پھیلاؤ اور وسعت کے اعتبار سے پہاڑ کی طرح نمایاں اور بلند ہے، محض اخلاص کے نہ ہونے سے حقیر ذرّہ سے بھی کم ہے۔ ٹھیک اسی طرح یہ ہو سکتا ہے کہ ایک عمل جو بظاہر حقیر ہے اخلاص و حسن نیت کی وجہ سے عند اللہ اتنی بڑی قیمت پالے جو بڑے سے بڑے عمل کی ہو سکتی ہے

---

[۱] بستان المحدثین ص ۱۱۹

دوسری حدیث مسلمان میں ذمہ داری کے احساسات کو پیدا کرتی اور ابھارتی ہے۔ اس کا منشا یہ ہے کہ یہاں فرائض وواجبات کی فہرست اتنی طویل ہے کہ لغویات کے لیے سر سے سے فرصت نہیں۔

تیسری حدیث کا مطلب یہ ہے کہ معاملات اور برتاؤ میں ایک محکم احساس تک سب کی رسائی ہو جائے۔ یعنی اگر ایک شخص اس اصول کو سامنے رکھے کہ اس کے مقابلہ میں دوسرا انسان اس سے کسی نوع کے معاملہ کی توقع رکھ سکتا ہے، اور اس پر یوں غور کرے کہ اگر میرا معاملہ ہو تو میں اپنے لیے کیا طرز عمل اختیار کروں گا تو یقین جانیے کہ بدمعاملگی اور ایذا و فریب دہی کی وارداتیں بالکل بند ہو جائیں۔

چوتھی حدیث میں ایک بہت بڑا سبق ہے، یعنی ہر مسلمان زندگی کے ہر پہلو پر بھی نگاہ رکھے کہ حلال وحرام کے ارتکاب میں اس کے سامنے کیا اصول ہیں۔ جہاں تک ان باتوں کا تعلق ہے جو جائز اور درست ہیں، وہ بھی معلوم ہیں اور ممنوعات بھی نظروں سے اوجھل نہیں۔ احتیاط اور تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ درمیان کی ان صورتوں پر غور کرے جو حلال اور حرام کے بین بین ہیں۔ اگر یہاں احتیاط برتی تو پھر واقعی حرام کے ارتکاب سے بچ گیا۔ ورنہ خطرہ ہے کہ حرام و ممنوع کی حدود تک نہ پہنچ جائے۔

سنن ابوداؤد کی شروح وحواشی

سنن ابوداؤد کی اہمیت وافادیت کے پیش نظر علماء محدثین نے اس کے ساتھ پورا اعتنا کیا۔ اور اس کی متعدد شرحیں، حواشی اور مستخرجات لکھے۔ چند مشہور شروح یہ ہیں:۔

۱۔ معالم السنن للخطابی۔

۲۔ مرقاۃ الصعود للسیوطی (م ۹۱۱ھ)

۳۔ تہذیب السنن لابن القیم (۷۵۱ھ)

برصغیر پاک وہند میں سنن ابوداؤد کی شروح وحواشی

سنن ابوداؤد پر برصغیر پاک وہند میں علمائے کرام نے خاص توجہ دی۔ جہاں تک میری اس سلسلہ میں رسائی ہو سکی ہے۔ اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ غایۃ المقصود شرح ابی داؤد از علامہ شمس الحق ڈیانوی عظیم آبادی (م ۱۳۲۹ھ)

یہ مشہور و معروف اور علمی شرح علامہ مرحوم نے ۳۲ جلدوں میں لکھی تھی۔ ابھی اس کی جلد اوّل ہی شائع ہوئی تھی کہ شارح کا انتقال ہوگیا۔ یہ پوری شرح علامہ مرحوم کے کتب خانہ عظیم آباد (پٹنہ) میں موجود ہے[1]

۲۔ عون المعبود فی شرح سنن ابو داؤد! از علامہ شمس الحق عظیم آبادی۔ علامہ مرحوم نے گویا غایۃ المقصود کی تلخیص کی ہے۔ یہ چار جلدوں میں طبع ہوکر قبول عام حاصل کرچکی ہے۔ اب حال ہی میں فاروقی کتب خانہ ملتان نے اسے دوبارہ شائع کیا ہے۔

۳۔ رحمت الودود علی رجال سنن ابی داؤد، از مولانا محمد رفیع شکرانوی بہاری (م ۱۳۳۷ھ)

۴۔ عون الودود از مولانا محمد حیدرآبادی۔ مختصر حاشیہ سنن ابو داؤد[2]

۵۔ حاشیہ سنن ابو داؤد۔ از استاد پنجاب مولانا حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی (م ۱۳۳۴ھ) استاد پنجاب نے اپنی زندگی میں ۸۰ مرتبہ صحاح ستہ کا درس دیا۔ اس دوران آپ نے سنن ابی داؤد کا حاشیہ لکھوایا۔ یہ حاشیہ ابھی تک غیر مطبوعہ ہے اور کتب خانہ حافظ عبدالمنان وزیر آباد میں محفوظ ہے۔ یہ کتب خانہ مولانا عبدالرحمٰن صاحب عتیق خطیب جامع اہل حدیث وزیر آباد کی تحویل میں ہے۔

۶۔ حاشیہ سنن ابو داؤد۔ بنام فیض الودود۔ از مولانا محمد عطاء اللہ صاحب حنیف مدظلہ العالی مدیر الاعتصام۔

مولانا محمد عطاء اللہ حنیف کی ذات محتاج تعارف نہیں۔ اب جماعت اہل حدیث کے ممتاز علماء میں سے ہیں سنن ابو داؤد کے حاشیہ کے ساتھ نسائی شریف کی شرح بھی کرچکے ہیں[3]۔ یہ ایک علمی اور معلوماتی حاشیہ ہے۔ ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔

---

[1] اب معلوم ہوا ہے کہ جمعیت اہل حدیث بنارس اس کے طبع کرانے کی کوشش کر رہی ہے۔ اگر یہ شرح طبع ہوگئی تو جمعیت اہل حدیث بنارس کا بہت بڑا علمی کارنامہ ہوگا۔ (عراقی)

[3] شرح نسائی کا مفصل تعارف امام نسائی کے حالات میں آئے گا انشاء اللہ (مؤلف)

[2] ہندوستان میں اہل حدیث کی علمی خدمات۔ ص ۴۴۔

۷۔ بذل المجہود فی شرح سنن ابی داؤد۔ از مولانا خلیل احمد سہارنپوری (م ۱۳۴۶ھ)
یہ عربی شرح ۵ جلدوں میں ہے۔ بہت علمی اور معلوماتی شرح ہے۔ یہ شرح طبع ہو کر قبولِ عام حاصل کرچکی ہے۔

۸۔ شرح سنن ابی داؤد۔ از مولانا سید انور شاہ کشمیری (م ۱۳۵۲ھ)۔ یہ مولانا کی تقاریر کا مجموعہ ہے اور ۲ جلدوں میں ہے۔

۹۔ التعلیق المحمود علی سنن ابی داؤد۔ از مولانا فخر الحسن تلمیذ مولانا رشید احمد گنگوہی (م ۱۳۲۳ھ)
یہ بہت علمی اور ضخیم حاشیہ ہے۔[1]

۱۰۔ اردو شرح سنن ابی داؤد۔ از مولانا وحید الزماں حیدر آبادی (م ۱۳۳۸ھ)
اردو میں شاید ہی اس سے زیادہ مفصل اور مکمل شرح شائع ہوئی ہو۔ ترجمہ میں تمام مباحث کا ذکر کردیا گیا ہے۔

امام ابوداؤد کی وفات زندگی کا بیشتر حصہ بغداد میں گزارا۔ اور بغداد ہی میں سنن ابی داؤد کی تالیف کی۔ ۲۷۱ھ میں بغداد سے بصرہ منتقل ہوگئے۔ اور ۲۷۵ھ میں بصرہ ہی میں انتقال کیا۔[2]

---

[1] دارالعلوم دیوبند نمبر ص ۱۵۵

[2] وفیات الاعیان جلد ۲ ص ۱۳۸

رسائل و مسائل

ہاروت و ماروت سے متعلق ایک بے سر و پا قصّہ

جناب ملک غلام علی صاحب سربراہ شعبۂ استفسارات

سوال:۔ عرض ہے کہ کافی عرصہ پہلے کی بات ہے کہ ہم کلاس میں بیٹھے تھے، اسلامیات کا پیریڈ تھا اور ہم توضیح القرآن پڑھ رہے تھے۔ پڑھتے پڑھتے جب سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۱۰۱ پر پہنچے اس سے آگے جو آیت شروع ہوتی ہے اس میں سلیمان علیہ السلام کے دورِ حکومت کے بارے میں بتانے کے بعد کہا گیا ہے" اور پیروی کی اس کی جو نازل کیا گیا۔ بابل میں دو فرشتوں ہاروت و ماروت پر اور وہ سکھاتے نہ تھے کسی کو۔ حتیٰ کہ یہ ساتھ نہ کہہ دیں کہ ہم آزمائش ہیں پس تو کفر نہ کر۔ .... آیت نمبر ۱۰۲ تک۔

ہاروت و ماروت کا نام سن کر ہم چونک پڑے۔ استاد محترم بتلا رہے تھے کہ "یہ قصّہ بالکل من گھڑت ہے کہ ہاروت و ماروت زہرہ نامی عورت کے دامِ عشق میں گرفتار ہو کر اس سے بدکاری سے مرتکب ہوئے ہیں اور یہ قصّہ گھروں میں بہت مشہور ہے اس لئے اپنے گھروں میں بتائیں کہ فرشتے گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔"

یہ سن کر میں شش و پنج میں پڑ گیا۔ کیونکہ میں بچپن سے سنتا چلا آرہا تھا کہ بابل کے شہر میں دو فرشتے کنویں میں لٹکے ہوئے ہیں کیونکہ انہوں نے زہرہ نامی عورت سے بدکاری کی تھی تو اللہ رب العٰلمین نے انہیں سزا کے طور پہ بابل کے شہر کے ایک کنویں میں لٹکا دیا۔

میں اس دن کے بعد ہر ایک سے معلوم کرتا رہا مگر مجھے تسلی بخش جواب نہ ملا۔ کوئی کہتا ہے یہ واقعہ سچ ہے اور بعض جھوٹ قرار دیتے ہیں۔ انہی دنوں میرے ایک رشتہ دار عراق سے واپس آئے تو میں نے ان سے دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاں یہ واقعہ سچا ہے کیونکہ عراق کے بابل شہر میں ایک کنواں ایسا ہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ اس میں فرشتے الٹے لٹکے ہوئے ہیں۔ مگر باہر سے تالا لگا ہوا ہے اور دیکھنے کی اجازت نہیں ہے۔

آخر میں نے تفہیم القرآن میں ڈھونڈھنے کی کوشش کی مگر ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ کیونکہ تفہیم القرآن میں اس قصے کی بابت اشارہ بھی نہ پایا۔ سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۱۰۱ تا آیت نمبر ۱۰۳ کی تشریح میں اس غلطی کا جو کہ لوگوں کے دلوں میں بیٹھی ہوئی ہے۔ ازالہ کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ میں نے تفہیم القرآن کی پہلی جلد میں دیکھا ہے۔ اگر کسی دوسری جلد میں وضاحت کی گئی ہو تو مجھے ازراہِ نوازش بتائیں۔ ہو سکتا ہے کہ آپ عراق گئے ہوں اور آپ نے وہاں سے معلومات حاصل کی ہوں گی۔ آپ قرآن و سنت اور تاریخی واقعات کی روشنی میں بتلائیں کہ یہ واقعہ سچ ہے یا جھوٹ۔ بحیثیت مسلمان مجھے یقین نہیں آتا کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ فرشتے معصوم ہیں۔ ان سے گناہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

جواب ۱۔ ہاروت و ماروت کے متعلق قرآن مجید میں جتنی بات بیان ہوئی ہے۔ مولانا محترم نے اس کی ایک سادہ اور مختصر تشریح بیان کر دی ہے۔ اس سے زائد قرآن یا حدیثِ صحیح میں مزید کوئی تفصیل مذکور نہیں ہے۔

ان سے متعلق جس قصے کا ذکر آپ نے کیا ہے اس کے بارے میں آپ کے استاد صاحب نے جو کچھ فرمایا ہے وہ ٹھیک ہے۔ یہ قصہ بعض کتابوں میں درج تو ہے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک اس قصے کی سند صحت کے ساتھ ثابت نہیں۔ حافظ ابنِ کثیر، استاذ احمد، محمد شاکر، سید رشید رضا اور دوسرے لوگوں نے اس پر مفصل تنقید کی ہے۔ دراصل یہ قصہ بیشتر روایات میں کعب احبار سے نقل کیا گیا ہے جس سے بہت سی رطب و یابس اسرائیلیات ہماری تاریخ و تفسیر کی کتابوں میں راہ پا گئی ہیں۔ مگر ان کی کوئی اصل نہیں ہے۔ یہ قصہ توراۃ یا دوسرے تحریری اسرائیلی لٹریچر میں بھی کہیں موجود نہیں ہے۔

یہ بات قرآن مجید سے ثابت ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ انہیں کسی ایسے فعل کا حکم تو دے سکتا ہے جو انسانوں کے لئے عذاب یا آزمائش کی حیثیت رکھتا ہو لیکن ان سے اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی یا اخلاقاً کسی قبیح فعل مثلاً زنا کا ارتکاب غیر متصور ہے کیونکہ وہ جبلّی طور پہ معصوم اور جنسی محرکات سے معرا ہیں اور ان کے ہاں توالد و تناسل کا بھی کوئی سلسلہ نہیں ہے۔ بفرضِ محال خدانخواستہ ان سے کوئی ایسی سنگین حکم عدولی کا صدور ہوتا اور اس پہ ایسی سخت سزا انہیں دی گئی ہوتی تو قرآن مجید میں اس کا بھی ذکر ہوتا۔

بس وہ کوئی ایسا علم لے کر زمین پر اترے تھے جس میں فائدے کا پہلو بھی تھا اور ضرر کا بھی۔ اور وہ لوگوں کو متنبہ بھی کر دیتے تھے کہ ہماری تعلیم میں فتنے کا بھی پہلو ہے۔ اس کے بعد جو انسان اس کا غلط استعمال کرتے تھے وہ خود ہی اپنی غلطی کے ذمہ دار ہیں۔

عراق میں کسی کنوئیں کے متعلق اگر یہ مشہور ہو کہ اس میں فرشتے لٹکے ہوئے ہیں تو اس سے اس قصے کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا۔ وہاں تو ایک مچھلی کی تصویر بھی بنی ہوئی ہے جس کے پیٹ سے ایک انسان کو نکلتا ہوا دکھایا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہ حضرت یونس علیہ السلام ہیں۔ کیا اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اسی مقام پہ اسی شکل میں حضرت یونس ؑ مچھلی کے پیٹ سے نکلے تھے۔

مطبوعات

PAKISTAN
RETURN FROM
THE PRECIPICE

مرتبہ: میجر جنرل شاہد حمید (ریٹائرڈ)
ناشر: پاکستان پبلیکیشنز
پوسٹ بکس نمبر ۱۱۰۲ - اسلام آباد

یہ کتاب جس کا عنوان ہے "تباہی کے کنارے سے واپسی" (پاکستان کی) سرکاری مطبوعاتِ پاکستان میں سے ایک ہے۔ اس کے تعارفی یا تمہیدی باب میں ۱۹۷۲ء سے ۱۹۷۷ء تک کے حالات کا سیاسی، اقتصادی، زرعی، صنعتی اور مالیاتی جائزہ لیا گیا ہے۔

بعد کے ابواب میں میجر جنرل ضیاء الحق کے دورِ حکومت کے اقدامات کا بیان ہے۔ عنوانات یہ ہیں۔ نظامِ زکوٰۃ وعشر، مذہبی امور، تعلقاتِ خارجہ، پاکستان کی غیر جانبداری، تجارت اور کاروبار، صنعت، حکومت کے ہاتھ میں صنعتیں، خوراک اور زراعت، معدنیات اور ایندھن، ترقیاتی منصوبہ بندی، واپڈا، تعلیم، رسل ورسائل، پاکستان ریلوے، افرادی قوت، مزدور، محکمہ داخلہ، ثقافت، ثقافت کھیل اور نوجوانوں کے معاملات، شمالی علاقے، آزاد کشمیر، اعداد و شمار، آبادی کا پروگرام۔

ان سارے ابواب میں ضروری معلومات، اعداد و شمار اور تبدیلیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ کتاب آرٹ پیپر پر بہت سی تصاویر کے ساتھ چھپی ہے۔

زیارتِ قبور کا شرعی طریقہ
مؤلف: مولانا محمد حنیف یزدانی
ناشر: مکتبۂ نذیریہ
منیر شہید روڈ۔ بالمقابل جاوید مارکیٹ
اچھرہ۔ لاہور
قیمت: ساڑھے دس روپے

سفید کاغذ پر چھپی ہوئی اور سادہ رنگین ٹائیٹل سے آراستہ یہ کتاب اپنے موضوع کے لحاظ سے اہم اور مواد کے لحاظ سے مفید ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کو ابتدا میں زیارتِ قبور سے منع فرمادیا تھا، کیونکہ اکثر قوموں میں شرک اس راستے سے داخل ہوا کہ بزرگوں کی قبور سے انہوں نے عقیدتیں شروع کیں۔ انہیں خوب بنایا سنوارا۔ اُن کے آگے سجدے کئے، مدفون ہستیوں کو حاضر وسامع سمجھا، اُن سے حاجات مانگیں، قبروں کو سجدے کیے۔ پھر غالیانہ جوش عقیدت کے تحت ان بزرگوں کے بُت بھی بنا لیے۔ اور بعد میں جب حضورؐ کو اندازہ ہوا کہ اب توحید دلوں میں رچ بس گئی ہے، اور شرک کی ادنیٰ آلائش بھی اہل ایمان کو اب گوارا نہیں رہی تو آپؐ نے زیارتِ قبور کی اجازت دے دی۔ اور وضاحت سے یہ اجازت دو مقاصد کے لیے دی: یہ کہ قبروں کو دیکھنا دنیا سے بے رغبت کرتا ہے، اور یہ کہ آخرت کی یاد دلاتا ہے۔ تیسرا مقصد جو احادیث سے معلوم ہوتا ہے وہ اہل قبور کے لیے مغفرت و درجات کی دُعا ہے۔

آسان اور سادہ دین کی یہ آسان اور سادہ بات بعد میں اُلجھتی چلی گئی اور قبور اور مزارات سے متعلق ایک مستقل شریعت وضع ہوتی چلی گئی۔

ایک مسلمان کا کام یہ ہے کہ جب وہ کسی معاملے کی حقیقت کو نہ جانتا ہو یا اُس میں اختلافات و نزاعات دیکھے تو وہ سیدھا سرچشمۂ قرآن و سنّت تک پہنچے اور وہاں سے معلوم کرے کہ کس معاملے میں کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں کرنا چاہیے۔ پھر جو حکم ملے سر آنکھوں پر۔ اور قرآن و سنّت کے حقائق کو سمجھنے میں کوتاہی رہے تو اُمّتِ محمدیہ کے معتمد علمائے سلف اور فقہائے خلف سے مدد لے۔

پیشِ نظر کتاب میں زیارتِ قبور کے شرعی طریقہ و آداب کے متعلق دَورِ صحابہؓ سے لے کر آج تک کے علماء، فقہا، مفتیان اور اہل تصوف کے اقوال و فتاویٰ کو یکجا کر دیا گیا ہے۔ مثلاً عامر بن سعد بن ابی وقاص کی وصیت اپنی قبر کے متعلق، حضرت سیدنا علیؓ کا ایک حکم، امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے فتوے، حضرت مجدد الف ثانیؒ کا ارشاد، فتاویٰ قاضی خان کا حکم، علامہ شامی کا نقطۂ نظر،

فتاوائے سراجیہ کا اقتباس، ہدایہ اور فتح القدیر (شرح ہدایہ) اور عینی (شرح ہدایہ) نیز شرح وقایہ، عمدۃ الرعایہ اور نقایہ کے احکام، قدوری، فتاویٰ عالمگیری، کنزالدقائق، نورالایضاح اور جامع الرموز کے فتوے، علامہ سید صدیق حسن کا زاویہ نگاہ، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کا فیصلہ، امام شافعی، امام مالک، امام ابن حجر مکی، امام ابن قیم، قاضی ثناء اللہ پانی پتی اور علامہ سید محمود آلوسی کا حکم، شیخ عبدالقادر جیلانی کا ارشاد، مولینا احمد رضا خاں بریلوی کے خیالات —— وغیرہم —— یہ فہرست اتنی لمبی ہے کہ اسے درج کرنے کے لیے ہمارے پاس جگہ نہیں۔

اس درجے اور مرتبے کے اتنے بزرگ اور ان کی معتمد علیہ کتابیں کتاب و سنت کی توضیح دربارۂ زیارتِ قبور جب ہم پر منکشف کر رہی ہوں تو پھر ہماری خواہشات، ظنیات، ماحول کے مرسومات اور بے قید واعظوں کے لطائف کیا حیثیت رکھتے ہیں۔

کتاب کے شروع میں سابق ایڈیشن کے متعلق ریویو درج ہیں۔ ان میں سے بیشتر میں کہا گیا ہے کہ یہ کتاب اہل حدیث کے مسلک کی ترجمان ہے۔ مثلاً ایک فقرہ یہ ہے کہ "زیارتِ قبور کا شرعی طریقہ —— مکتبِ اہلِ حدیث کے فکر و خیال کی آئینہ دار ہے"۔ ریویو نگاروں کو ایسا تاثر ملا ہوگا۔ حالانکہ کتاب کے نام کی طرح اس کا تعارف بھی ایسا ہونا چاہیے جس سے ظاہر ہو کہ کتاب و سنت کے مطابق زیارتِ قبور کا اسلامی طرز یوں ہے۔

اس قسم کے موضوعات کو مناظرانہ چکر سے نکال کر اگر مثبت انداز سے پیش کیا جائے تو مختلف گروہوں کے حضرات کے اندر گروہی تعصبات انگڑائی نہ لیں گے اور وہ ٹھنڈے طریق سے سوچ سکیں گے۔ اس طرح زیادہ وسیع حلقوں میں اصلاح پھیل سکے گی۔

اخوان المسلمون

تالیف: افتخار احمد

ناشر: ادیبوں کا اشاعتی ادارہ پوسٹ بکس نمبر ۲۵۔ فیصل آباد

قیمت مجلد ۲۴ روپے

ملت اسلامیہ آج اگرچہ بہت مشکل اور پیچیدہ حالات سے دوچار ہے، مگر غیر معمولی بات یہ ہے کہ اس کے اندر اٹھان اور اڑان کے لیے ایک ولولۂ تازہ سرایت کیے ہوئے ہے۔ تاریخ میں بارہا ایسا ہوا ہے کہ جب بھی کوئی قوت ابھرنا چاہتی ہے تو مشکلات و مو الفات آزمائش عزم کے لیے سامنے آجاتے ہیں۔ پس موجودہ خرابیٔ احوال کے باوجود کچھ نہ کچھ ہونے والا ہے۔ ملت کے اس ولولۂ تازہ کو حرکی قوت بنانے میں ان اسلامی تحریکات کا بڑا

حصہ ہے جو ملک ملک سے اُٹھ رہی ہیں۔ پچھلی نصف صدی میں یہ تحریکات نشوونما پاتی رہی ہیں۔ ان میں سے ایک اہم تحریک اخوان المسلمون کے نام سے معروف ہے۔

مگر "اخوان" کیا ہیں اور کس طرح ایک قوت بنے ہیں اور کن آزمائشوں سے وہ گزرے ہیں۔ ان کی اساسی فکر اور ان کا نصب العین کیا ہے۔ اور کیسی لیڈرشپ نے ان کو پروان چڑھایا ہے۔ ان حقائق سے دنیا کے عرب کو تو آگہی ہوگی، مگر برصغیر میں نسبتاً کم معلومات پائی جاتی ہیں۔ جاننے والے اگر ہیں بھی تو دینی حلقوں سے متعلق ہیں۔ اخوان کے متعلق ان کا لٹریچر بھی بعض خاص گوشوں تک نہیں پہنچ پایا۔

جناب افتخار احمد صاحب نے اخوان کے تعارف کے لئے یہ کتاب لکھ کر عام حلقوں کے لئے آسانی پیدا کر دی ہے۔ اخوان کے متعلق افتخار صاحب نے جو باتیں پیش کی ہیں وہ ان کے مطالعہ کا ماحصل ہیں۔ اور اس مطالعہ کا ثبوت خاص شخصیتوں اور کتابوں کے ان اقوال و اقتباسات سے ملتا ہے جو افتخار احمد صاحب کی کتاب میں پھیلے ہوئے ہیں۔

فیصل آباد کے ادیبوں کا اشاعتی ادارہ مبارکباد کا مستحق ہے کہ اس نے ایسی کتاب اس شہر سے شائع کی جسے صرف صنعتی مرکز سمجھا جاتا ہے اور جہاں کارگیروں اور کاروباریوں اور مزدوروں کا جمگھٹا ہے۔

تذکارِ صحابیات
از جناب طالب ہاشمی
ناشر: ادارہ الحسنات
ملتان روڈ لاہور
ضخامت: ساڑھے پانچ صفحات
قیمت مجلد ۴۵ روپے

صحابیات کے تذکرے ہمارے یہاں اتنے کم اور مختصر ملتے ہیں کہ اس امر کا صحیح اندازہ ہو ہی نہیں سکتا کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بپا کردہ انقلاب میں خواتین کا بھی کوئی وقیع حصہ تھا۔ حالانکہ اصل صورتِ حالات یہ تھی کہ روزِ اوّل ہی سے ایک عظیم خاتون (حضرت خدیجہؓ) کی رفاقت و مشورت حضورؐ کو حاصل رہی اور مکہ میں مخالفین کی تعذیب کا نشانہ بن کر شہید ہونے والی پہلی ہستی بھی ایک خاتون حضرت سمیہؓ تھیں۔

اردو میں صحابیات پر ایک اہم کتاب مولینا سعید احمد انصاری نے سیر الصحابیات لکھی جس میں صرف ۴۵ صحابیات کے حالات ہیں۔ دوسری کتاب صاحبِ مشکوٰۃ کی کتاب کا اردو ترجمہ اسماء الرجال ہے۔ اس میں ۶۸ صحابیات کا بیان ہے۔ طالب ہاشمی صاحب کی پیشِ نظر کتاب میں ۲۱۹ صحابیات کے حالات بڑی

تحقیق کے ساتھ درج کئے گئے ہیں۔

اس کتاب کی ترتیب میں جن کتابوں سے مدد لی گئی ہے۔ ان کی فہرست آخر میں ہے۔ ۹۳ کتابوں میں حدیث سیرت اور اسماء الرجال کی امہاتِ کتب شامل ہیں۔

اردو زبان میں اس کتاب نے سیر الصحابیات میں میدان میں پچھلے سارے ریکارڈ توڑ کر نیا ریکارڈ بہت آگے جاکر بنایا ہے۔ مؤلف مبارک باد کے مستحق ہیں۔

اسلامی فکر و ثقافت
تالیف: عطش درّانی
ناشر: مکتبہ عالیہ، ایبک روڈ لاہور
قیمت مجلد: ۱۵ روپے

یہ پندرھویں صدی ہجری کے استقبال کے طور پر لکھی جانے والی کتابوں میں سے ایک ہے۔ اس میں مختصر طور پر عقاید، خصوصاً توحید، اس کے بعد تخلیقِ آدم اور آفرینش مخلوق اور اس کے ساتھ نظریۂ ارتقاء، پھر اسلامی ثقافت، تعلیم، علمی ترقیات، سائنسی پیشہ میوں سے متعلق ابواب ہیں بحثیں مختصر ہیں اور کہیں کہیں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے جلدی میں لکھا جارہا ہو۔

عطش درّانی صاحب نے مغرب کے نظریۂ ارتقا کی جڑیں مسلم فکر میں سے تلاش کی ہیں۔ مگر اس سمت پر بحث کرتے ہوئے انہوں نے صحیح طور پر مسلم فکر اور مغربی فکر کا فرق واضح نہیں کیا۔ مسلم مفکرین کے ہاں زیادہ سے زیادہ کوئی اشارہ تخلیقی و عضویاتی ارتقا (BIOLOGICAL EVOLUTION) کا مل جاتا ہے مگر معاشرتی ارتقا (SOCIAL EVOLUTION) کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ مغرب کا نظریۂ معاشرتی ارتقا تو یہ کہتا ہے جو قوت رکھتا ہے اس کا حق ہے کہ وہ کمزور کو ملیا میٹ کر دے۔ اسی بنیاد پر امپریلیزم بے بنیاد مظالم کے ساتھ نمودار ہوا۔ اور آج بھی جبر و تشدد اور ناجائز استحصال (EXPLOITATION) رائج العام ہے۔ نظریۂ ارتقا کو اخلاقی نتائج کی خرابی کے لحاظ سے دیکھیں تو وہ باطل معلوم ہوتا ہے۔ اور تاریخی و واقعاتی لحاظ سے ارتقا کے ساتھ ساتھ انحطاط بھی کام کرتا ملتا ہے۔ جہاں تک جسمانی و عضوی ارتقا کا تعلق ہے۔ خود مغرب میں نہ صرف یہ کہ شروع میں مخالفانہ نظریات موجود تھے۔ بلکہ آج بھی بڑی مختلف آراء موجود ہیں۔ ستم یہ ہے کہ ارتقا کے مخالف نظریوں کے لئے فروغ و اشاعت کے متعصبانہ دروازے

اس طرح بند ہیں جس طرح عیسائی مذہبی عدالتوں کے دور میں عقل و علم کی کوئی بات کرنے کا راستہ نہ تھا۔ عطش درانی صاحب اس سلسلے میں مزید مطالعہ کریں تو پھر وہ یقیناً مغربی نظریۂ ارتقا کی مکھی پہ مکھی مارنا پسند نہ کریں گے۔

اس اختلافی نوٹ کے ساتھ کتاب کی افادیت کا ہم اعتراف کرتے ہیں۔ نوجوان طلبہ اور عام لوگ اس کے مطالعہ سے اپنے شاندار ماضی اور اپنے تہذیبی وجود کا تعارف حاصل کرسکتے ہیں۔

سیارہ ڈائجسٹ کا خاص نمبر
مدیر مسئول: عطش درانی
مقام اشاعت: ۲۴۴ ۱ے حمید نظامی روڈ لاہور
چندہ سالانہ ساٹھ روپے
مشرق وسطیٰ نمبر دس روپے

سیارہ ڈائجسٹ معروف ماہنامہ ہے۔ اس وقت اس کا ایک خاص نمبر ہمارے سامنے ہے مشرق وسطیٰ نمبر (ستمبر ۱۹۸۰ء) ۲۹۲ صفحات پر مشتمل ہے۔

مشرقِ وسطیٰ نمبر خاصا اہم اور دلچسپ ہے۔ اس میں مشرقِ وسطیٰ کے مسلم ممالک کے حالات تاریخی، معلوماتی اور ادبی انداز سے پیش کئے گئے ہیں۔ رپورتاژ اور کہانی کے پیرائے میں بھی اہم شخصیتوں اور واقعات کا تذکرہ ہے حالیہ بڑے بڑے واقعات و حوادث پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ مسلم ممالک کے رقبے، آبادی، پیداوار وں وغیرہ کے متعلق اعداد و شمار بھی درج ہیں۔ ایک اچھا کام یہ ہے کہ مشرقِ وسطیٰ کے جن ممالک میں پاکستان سے لوگ کام کے لئے جاتے ہیں۔ وہاں کی بہت سی فرموں کے نام پتے دیئے گئے ہیں تاکہ لوگ چاہیں تو براہِ راست رابطہ کرسکیں۔

(بقیہ اشارات) قوم ——— حتیٰ کہ آج کل کی تہذیب یافتہ قومیں بھی ——— اس کی مثال پیش نہیں کرسکتیں۔ موجودہ دور کے کئی ممالک میں اقلیتیں بستی رہتی ہیں۔ دورِ آخر کی نہایت ہی درخشاں مثال اس احسانِ عظیم کی ہے جو فتح یروشلم کے موقع پر سلطان صلاح الدین ایوبی نے عیسائی یہودی اقلیت سے کیا۔ درآنحالیکہ اس سے چند سال پہلے عیسائیوں نے یروشلم پر قبضہ کرکے مسلمانوں کا بہیمانہ قتلِ عام کیا۔ یہاں تک کہ بیت المقدس میں گھوڑوں کے گھٹنوں تک مسلمانوں کے خون کی جھیل کھڑی کردی اور اس میں کٹے ہوئے ہاتھ پاؤں تیر رہے تھے۔

دُنیا کے مروجہ بڑے بڑے مفاسد ——— زنا، شراب نوشی، قمار، فحاشی، بددیانتی اور حرام خوری، جھوٹی گواہی وغیرہ ——— سے پرہیز میں مسلمانوں کا مرتبہ تمام اقوام عالم سے بلند رہا ہے چودھویں صدی کے دورِ زوال میں یہ معیارِ اعلیٰ کسی قدر گرا، مگر پھر بھی بہت تھوڑے افراد ان بُرائیوں کی لپیٹ میں آئے۔ اور آج بھی ان بڑی بڑی شائع وضائع بُرائیوں سے اجتناب کرنے میں ملتِ اسلامیہ باقی تمام اقوام سے برتر ہے۔

لحمِ خنزیر اور دوسرے حرام یا ممنوع بلکہ بہت سے مکروہ ماکولات تک سے مسلمانوں کی اکثریت پرہیز کرتی ہے۔ ازدواجِ بلا نکاح کا چلن اس اُمت میں موجودہ زوال کے دور میں بھی نہیں ہوسکا۔ ان پڑھ دیہاتی مسلمان تک ابتدائی طہارت، کپڑوں اور برتنوں کو شرعی شرائط کے مطابق پاک کرنے اور رکھنے، نیز کنوؤں، چشموں اور تالابوں کو ناپاکی سے بچانے اور غسلِ واجب کا اہتمام کرنے کے لحاظ سے شاید دُنیا کے مہذب ترین معاشروں کے تعلیم یافتہ معززین پیش پیش ہیں۔ پہاڑوں اور صحراؤں میں رہنے والی عورتیں بھی اپنے ماہانہ نظامِ طہارت کی پابند ہیں۔ جب کہ مغرب کی روشن دماغ ترقی یافتہ خواتین اس معاملے میں حیوانات کی سطح سے آگے نہیں بڑھ سکیں۔

آج اگرچہ تمام مسلمان فریضہ نماز ادا نہیں کرتے لیکن کئی صدیوں کا سفر طے کرنے کے بعد بھی ہر گاؤں، قصبے اور شہر میں نمازیوں کی تعداد اس قدر پائی جاتی ہے کہ مسجدیں آباد ہیں، خصوصاً جمعہ کو بڑی مسجدوں میں خاصی بھیڑ ہوتی ہے اور عیدین کے موقع پر تو مساجد نمازیوں کے لیے چھوٹی ہوجاتی ہیں۔ زکوٰۃ کی بہت بڑی بڑی رقوم لوگ چپکے سے ہر سال ادا کرتے ہیں اور مستحق افراد کو خیرات دینے کے علاوہ دینی مدارس اور اداروں کی مالی تقویت پہنچاتے ہیں، جبھی تو وہ مسلم حکومت کے

وفات کے بعد سے اب تک چل رہے ہیں۔

اس ملت کی ایک خوبی یہ ہے کہ ہزار بگاڑ کے باوجود اس میں دین کے لیے سرفروشی کا اتنا جذبہ کام کرتا ہے کہ جب کوئی تحریک چلی، مسلمانوں نے قربانیاں دیں۔ الجزائر کی طویل جنگ آزادی ہو یا قبرص اور اریٹیریا کی مسلم اقلیتوں کی سعیٔ استقلال۔ اسی طرح جنوبی فلپائن کے مورو مسلمان ہوں یا بھارت میں مسلم کش بلووں کا شکار ہونے والی مسلم اقلیت، اور پھر فلسطین کے مسلمان ہوں یا کشمیر کے مسلمان، سبھی نے قربانیاں دیں، اور دے رہے ہیں۔ برصغیر میں تحریک مجاہدین اور تحریک ۱۸۵۷ء کے لیے بھی اور مسجد کانپور اور مسجد شہید گنج کے قضیے کے لیے بھی مسلمانوں نے بے دریغ قربانیاں دیں۔ اسی طرح ماضی قریب کی تحریک نظام مصطفیٰ (۱۹۷۷ء) کے لیے مسلمانوں نے پولیس کی لاٹھیوں کے سامنے سر پیش کر دیے اور فوج کی گولیوں کے سامنے سینے کھول دیئے۔ دینی مقاصد کے لیے قربانی پیش کرنے کا یہ تاریخی جذبہ اپنی مثال آپ ہے۔

اس ملت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ایک طرف اس میں کسی منظم کوشش اور صرف کثیر کے بغیر اسلام کو مسلک بنا لینے والے افراد کا مسلسل اضافہ ہوتا رہتا ہے، دوسری طرف اس کی شرح ارتداد دوسرے کسی بھی مذہب کے پیروؤں سے کم ہے۔

یہ چند متفرق خوبیاں ملت اسلامیہ کی ایسی ہیں جو کمزوریوں پر غالب آنے میں اس کی مدد کریں گی۔ اور اب تو اسلامی تحریکات کے فروغ نے ایمانوں اور جذبوں کو اور تازہ کر دیا ہے۔

سب سے بڑی خوبی ملتِ اسلامیہ کی یہ رہی ہے کہ اس کے اعاظم و اکابر نے ہر اس فتنے کی سرکوبی کا حق ادا کر دیا جو باہر سے اس کے اندر داخل ہوا۔ خوارج بگولوں کی طرح اٹھے مگر بہت جلد ان کا قلع قمع ہو گیا۔ یونانی اثرات آئے تو تھوڑے سے دورِ اثر پذیری کے بعد جلد ہی انہوں نے بیرونی فلسفے کو تنقید کا نشانہ بنایا، پھر اس کے مقابلے پر اپنا علمِ کلام استوار کیا۔ اور اسے الہامی حکمت کے تابع کر دیا۔ تصوف داخل ہوا تو اس میں ترکِ سیاست، فلسفۂ ہمہ اوست، سریت اور باطنیت، تفریقِ شریعت و طریقت، تقابلِ نبوت و ولایت، وغیرہ کے جتنے فتنے داخل ہوئے ان کے خلاف صحیح العقیدہ اور صحیح الفکر صوفیا نے مؤثر کام کیا۔ اور اسلام کے مطلوبہ مسلکِ احسان یا تزکیۂ نفس کو نتھار کر اصلی شکل میں پیش کر دیا۔

عقلیت کے سحر سے جو فرقے پیدا ہوئے اُن کا قلع قمع کیا۔ سنّت سے گریز کے لیے جب کوئی آواز اُٹھی تو اُس کا زور توڑ دیا۔ فکری فتنوں کے علاوہ تاتاری ظلم کا سیلاب جو مسلمانوں کے انحرافات کی سزا دہی کے لیے قضا و قدر نے اُٹھایا ایک مرتبہ تو قیامت کی تباہی پھیلی مگر یہ فلسطین کی دیواروں سے ٹکرا کر شکست کھا گیا، اور واپس ہو گیا۔ پھر تھوڑے ہی عرصے میں وحشی قوت کا سر اسلام کے سامنے جھک گیا۔ تاتاری حکمرانوں میں سے سلطان برکا سب سے پہلے مسلمان ہوا۔ پھر یہ سلسلہ آگے چلتا گیا۔ سلاجقہ خون ریزی کرتے ہوئے اُٹھے مگر وہ بھی اسلام کے حلقہ بگوش ہو کر ملّت کی قوت میں اضافہ کا باعث بنے۔ قرامطہ اور باطنیہ نے کچھ عرصہ بڑی تباہی مچائی مگر ملّت کے حکمرانوں نے ہندوستان تک اُن کا پیچھا کر کے انہیں بے بس کر دیا۔ ہندوستان میں اکبر نے دینِ الٰہی وضع کر کے متحدہ وطنی قومیت اور ہندوانہ ثقافت کے لیے حکومت کی طاقت سے جو تباہ کن کام کیا اُسے شیخ احمد سرہندی کی تجدیدی مساعی نے ناکام کر دیا۔

دوسری طرف بادشاہت کے آجانے کے بعد حکمرانوں نے جب کبھی ظلم کی روش اختیار کی، دین میں کوئی بگاڑ پیدا کرنا چاہا یا تعلیم، تدریس اور تبلیغ کی سرگرمیوں میں رخنہ اندازی کی تو ملت کے اعاظم و اکابر نے سلطان جائر کے سامنے کھڑے ہو کر نہ صرف احتجاج و نکیر کا فرض ادا کیا، بلکہ تجدید دین اور احیائے سنّت کی تحریکیں چلائیں، اور بے دریغ اپنے آپ کو تلواروں اور کوڑوں اور زندانوں کے حوالے کر دیا۔ علماء نے حلقہ ہائے درس اور مجالس فقہ کے ذریعے احیائے دین کا جذبہ شاگردوں کو بھی ودیعت کیا اور کتابوں میں بھی اُسے شامل کیا۔ پہلی صدی ہجری میں جس طرح امام حسین رضی اللہ عنہ نے غیر اسلامی نظام حکومت کو بدل کر اسلام کو غالب کرنے کے لیے قربانی دی۔ اسی طرح یہ سلسلہ بعد میں مسلسل جاری رہا۔ کسی نے علم و فکر کے دائرے میں اور کسی نے قضا کے دائرے میں اور کسی نے سیاست کے دائرے میں اور کسی نے سچے تصوف کے پیرائے میں تجدید دین کی تحریک کی خدمت کی۔

یہ خاص خوبی صرف ملّت اسلامیہ کی ہے کہ اُسے خرابیٔ احوال و اعمال کے باوجود کسی غیر اسلامی نظام کے تحت چین نہیں ملا، بلکہ ہمیشہ اُس کے اندر یہ تحریک موجود رہی کہ اسلام کا بول بالا ہو۔ خود اس برصغیر میں تجدید و احیاء کے لیے مسلسل جو کام ہوا ہے اُس کی ٹھوس شہادت پاکستان کی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے۔

چودھویں صدی کو اگر بطورِ خاص الگ کر کے دیکھیں تو ایک طرف یہ سامراجی تسلط کی صدی ہے اور دوسری طرف جگہ جگہ سے اُٹھنے والی غلبۂ اسلام کی تحریکوں کی صدی ہے۔ اس صدی کے آغاز سے بھی پہلے مغرب مسلمانوں سے حاصل کردہ ترقی و قوت کے بل پہ اٹھا اور مسلمانوں ہی کو شہنشاہیت کے لیے شکار کرنے کا ناپاک مشغلہ شروع کیا۔ افریقہ، مشرقِ وسطیٰ اور ایشیا کی مسلم مملکتوں پر دھاوا بول دیا۔ جبر و مکر ـــــ یا شمشیر و تدبیر دونوں طرح کی قوتیں استعمال کیں۔ دوسری ہر قوم سے زیادہ مسلمانوں کو اس لیے بُری طرح کچلا گیا کہ اس کے عقائد اور اس کے مزاج اور اس کی تاریخ نے سامراجیت کے خلاف جہاد کے لیے اُٹھا کھڑا کیا۔ دُنیا کی کسی قوم نے مغربی امپیریلزم کی اتنی شدید مزاحمت نہ کی ہوگی جتنی مسلمانوں نے کی۔ یہ تاریخِ عالم میں ہمارا ایک شاندار ریکارڈ ہے۔ سنوسی تحریک ہو یا مہدوی تحریک، وہابی تحریک ہو یا جمال الدین افغانی کی تگ و تاز، برصغیر میں سلطان ٹیپو کا جہاد ہو یا معرکہ پلاسی بنگال کی فرائضی تحریک ہو یا شمالی ہند کا انقلاب ۱۸۵۷ء، تحریک مجاہدین ہو یا تحریکِ خلافت، ہر طرف جذبۂ جہاد بیدار ہو گیا۔ مسلمانوں کی قلتِ وسائل اور ناسازگاری حالات کے باوجود مغربی سامراج کو خوب خوب چرکے لگائے اور پھر جواب میں خود بھی وہ کچھ برداشت کیا کہ تاریخ کے اوراق پر اُن کے خون کے چھینٹے پھیلے ہوئے ہیں، اور ایوانِ وقت میں اُن کے نعرہ ہائے تکبیر کی صداؤں کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ حکمرانوں کو تخت و تاج سے محروم کر کے رسن و دار کے حوالے کر دیا گیا۔ شاہی خاندانوں کے رعنا جوان گولیوں کا نشانہ بن گئے۔ محافظانِ آزادی کو چوراہوں اور درختوں پر پھانسیاں دی گئیں۔ علماء پر مقدمے چلا کر سنگین سزائیں دی گئیں، بستیوں اور عمارتوں پر ہل چلا دیے گئے، لاکھوں کی جائیدادیں دو دو روپے میں نیلام کر دی گئیں، مسلمانوں پر تعلیم و ترقی کے دروازے بند کر دیے گئے، اُن پر ہر جگہ کسی بھی غیر مسلم عنصر کو سیاسی اور معاشی طور پر مسلط کر دیا گیا۔ مسلمانوں کے دینی جذبۂ مزاحمت ہی کی وجہ سے علماء کو مُلّا کہہ کر اس لفظ میں مکروہ معانی داخل کیے گئے۔ جذبۂ جہاد و شہادت کو جنونی پن سے تعبیر کیا گیا۔ اور دینی قدروں کا مذاق اُڑایا گیا۔

مسلمانوں کی عثمانی سلطنت کو پارہ پارہ کرنے کے بعد ہر ملک کے ٹکڑے کیے گئے، کہیں اپنی پسند کے حکمران اور کہیں جی حضوری افسر مقرر کیے گئے، بہت سے ممالک میں مسلمانوں کی اکثریت کو اقلیت میں بدلنے کے لیے یا تو باہر سے نو آبادکار لائے گئے (جیسے ملایا میں) یا مردم شماری کا سلسلہ روک کر

عیسائی اقلیت کو اکثریت کا درجہ دے دیا گیا، یا پھر مسلمانوں کو تعلیم اور ملازمت کے لیے عیسائی نام رکھنے پر مجبور کیا گیا تاکہ ناموں کی لسٹوں کے لحاظ سے عیسائیوں کی اکثریت محسوس ہو۔

پھر مسلم معاشروں میں ایک طرف ملحدانہ فلسفہ و عمرانیات کی تعلیم دی گئی اور دوسری طرف پادریوں کو غول در غول بُلا کر شہر شہر اور قصبہ قصبہ میں مناظرہ بازی کے دنگل شروع کرا دیے، نیز مسلمانوں کے فرقوں کو آپس میں لڑایا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں میں اپنے دین اور عقاید کے متعلق شبہات پھیلے اور وہ ذہنی طور پر کمزور شکار بن گئے۔ اسی کے ساتھ مسلمانوں کی تاریخ اتنی مسخ کر کے مرتب کی گئی کہ اس کے آئینے میں جب مسلمانوں نے اپنا رلتا چہرہ دیکھا تو ان میں اپنے خلاف بیزاری اور مایوسی پیدا ہوئی۔ ان حالات میں اگرچہ عیسائیت کی مذہبی بحثوں کا جواب دینے کے لیے علماء نے بڑا زوردار کام کیا، مگر تعلیم اور لٹریچر اور نئی مسحور کُن اصطلاحات سے آراستہ ترقی اور روشن خیالی کے پروپیگنڈے نے مسلمانوں کے دل و دماغ میں مغرب کی ملحدانہ اور مادہ پرستانہ فکر کے نفوذ کے لیے راہیں کھول دیں۔ آہستہ آہستہ یہ حال ہوا کہ جس قوت سے وہ کچھ ہی عرصہ پہلے جنگ آزما ہو چکے تھے اُسی کے ممنونِ احسان ہونے اور اُس کی برکات کے گُن گانے لگے۔ اس کی کاسہ لیسی اور خوشامد اور نقالی کی فضا نمودار ہو گئی۔ برصغیر میں ہونے والے اسلامی کام نے پوری قوم کو تو اغیار کا شکار نہیں ہونے دیا، مگر ایسے ابن الوقتوں کا ایک طبقہ ضرور پیدا ہو گیا، جسے اپنے دین اور اپنی تاریخ کا علم تو تھا نہیں، اُس نے یہ سمجھا کہ زندگی، روشنی، ترقی اور بیداری صرف مغرب کے پاس ہے۔ اپنی خودی بیچ کر بھی اُسے حاصل کرنا چاہیے۔ اس طبقے کا طرزِ فکر یہ بنا کہ ہر وہ پستی جسے مغرب نے اختیار کر رکھا ہے، وجہِ عروج ہے۔

مگر بہ حیثیت مجموعی ہر خطے میں مسلم اقوام میں سے کوئی بھی غلامی کے قفس میں آرام سے نہیں بیٹھی۔ ہر جگہ قربانیاں دے دے کر آزادی کی تحریکیں بھی چلائیں اور مغرب کی ملحدانہ فکر و ثقافت کے خلاف زبان و قلم سے معرکہ آرائی بھی کی۔ خصوصاً ترکیہ میں، بربر میں، مصر و سوڈان میں، الجزائر میں، اور خود اس برصغیر میں آزادی کی بڑی قیمت ادا کی گئی۔ آہستہ آہستہ ایک ایک ملک آزاد ہوتا گیا، یہاں تک کہ آج قریب قریب ساری مسلم مملکتیں سامراجی چنگل سے نجات پا کر آزادی کے پھریرے اُڑا رہی ہیں۔

سامراج سے آزادی کے بعد اب جو دوسری آزمائش مسلمانوں کو درپیش ہے وہ یہ ہے کہ جس نظام اسلامی کے لیے وہ آزادی کی جنگیں برسوں تک لڑتے رہے ہیں اس کے حصول میں مغربی قوموں کے تربیت دیے ہوئے طبقوں کی قیادت حائل ہے، نیز تقریباً تمام مسلمان ملکوں میں یا تو بادشاہت کا نظام چل رہا ہے، یا فوجی سہارے سے کھڑی ہونے والی آمریت کا۔ اس آزمائش سے عہدہ برآ ہونے کے لیے خدا نے جن بندگانِ خاص کو اٹھایا اُن کی صف میں شیخ احمد نورسی، شیخ حسن البنا، سید قطب، علامہ اقبال، مولانا مودودیؒ اور امام خمینی شامل ہیں۔ مغربی فکر کے مقابلے میں ان شخصیتوں نے نہ صرف اسلامی انقلاب کی فکر اور اسکیم کو جدید انداز اور زورِ استدلال کے ساتھ وسیع لٹریچر میں پیش کیا اور ہر شعبۂ حیات کے متعلق اسلامی نظام کے تقاضے واضح کر دیے۔ بلکہ سیاسی انقلابی تحریکیں اُٹھا دیں جو نوجوانوں کو ساتھ لیے کر ہر قسم کے تشدد سے گزرتی ہوئی روز بروز عالمِ اسلام میں بھی زور پکڑ رہی ہیں اور مغربی ملکوں میں پھیلے ہوئے مسلمانوں کے اندر بھی نفوذ کر رہی ہیں۔ یہی تحریکیں ہمارے لیے مستقبل کا سرمایۂ اُمید ہیں اور ان کا پرتو ہمارے علوم، ادب، صحافت اور نو خیز مسلم ریاستوں کی ہیئت پر پڑ رہا ہے۔ فرنگیت زدہ طبقے اگرچہ اب بھی قوت و اثر رکھتے ہیں۔ مگر وہ تیزی سے سکڑ رہے ہیں اور اُن کی جارحانہ اثر اندازی کا دَور ختم ہو چکا ہے۔ منفی انداز سے بھی وہ اب بہت دَب کر ہیر پھیر سے اپنا کام کرتے ہیں۔ اور اُن کے ذریعہ لائے ہوئے اندازی کلچر، ثقافت اور آرٹ کی سرگرمیاں ہیں۔ آدب میں ان کے رجحانات جھلکتے رہتے ہیں۔ اور مغربی معنوں میں ترقیٔ نسواں کی تحریک اُن کا سب سے بڑا سرمایۂ اُمید ہے، یا پھر احیائے اسلام کی مخالف قوتیں جدید ذرائع ابلاغ کے سلسلہ صوت و شبیہ کو استعمال کرتی رہتی ہیں۔ کُھلے میدانِ استدلال میں اب اُن کے تمام محاذ ـــــ اجرائے نبوت، انکارِ حدیث، وطن پرستی، معاش کی بالا تری، تحریک پاکستان کی مقصدی تحریف، لادین سیاست، تفریقِ دین و سیاست، سیکولر جمہوریت، ملحدانہ ادب، مادہ پرستانہ تصوّرِ تاریخ وغیرہ ـــــ ٹوٹ چکے ہیں۔ اسلامی تحریکوں کی اصطلاحات اور مسلم ذہن کو اپیل کرنے والے سلوگن اور طرزِ ہمارے علوم و افکار کے مخصوص اسلوبِ بیان ہمارے ماضی بعید اور ماضیٔ قریب کی شخصیات کے چرچے مخالف حلقوں میں بھی جگہ پا چکے ہیں۔

مبارک تر بات یہ ہے کہ پاکستان کی طرح عربوں، ترکوں، ایرانیوں اور جنوبی ایشیا کی نوجوان نسلوں

نے ناموافق نظامِ تعلیم اور فاسد ماحول کے علی الرغم اسلام کے عَلَم اُٹھا لیے ہیں اور کل ہماری جگہ لینے والی نسلوں کی صد ہا صفیں یہی انقلابی عَلَم لہراتی ہوئی پندرھویں صدی میں داخل ہو رہی ہیں۔

وہ وقت دُور نہیں کہ ہمارے فرسودہ معاشروں کے موجودہ غلط ڈھانچے ٹوٹ گریں گے، جابرانہ اقتداروں کے تخت متزلزل ہو جائیں گے اور ایک بار پھر اُسی صبحِ حقیقت سے آسمان آئینہ پوش ہو گا، جو چودہ سو سال پہلے حجاز سے نمودار ہوئی تھی۔

قارئین توجہ فرمائیں

۱۔ تبدیلیٔ پتہ اور زرِ سالانہ روانہ کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور تحریر کریں۔ ورنہ تعمیل میں سخت دقت ہو گی۔

۲۔ ایجنسی ہولڈر رقم روانہ کرتے وقت، پرچوں میں کمی یا زیادتی کراتے وقت ایجنسی نمبر ضرور تحریر کریں۔

۳۔ ڈرافٹ، کراس چیک یا منی آرڈر ماہنامہ ترجمان القرآن کے نام روانہ کریں۔ کسی کے ذاتی نام پر نہ بھیجیں۔

جہانتاب احمد صدیقی

منیجر ماہنامہ ترجمان القرآن۔ اچھرہ۔ لاہور

ضروری اطلاع

"تفہیم القرآن" اپنی بے پناہ مقبولیت کی بنا پر اکثر کمیاب رہی ہے۔
اس لیے بیک وقت مکمل چھ جلدیں مارکیٹ میں دستیاب نہیں ہوسکیں۔
قارئین کے اشتیاق کے پیش نظر ادارہ نے تفہیم القرآن کے سپیشل
سیٹ اپنے روایتی معیار کے مطابق خوشنما اور خوبصورت جلدوں میں تیار
کروانے کا بندوبست کیا ہے۔ سیٹ تیاری کے آخری مراحل میں ہیں۔

جو اصحاب مبلغ -/۳۳۰ روپے بذریعہ منی آرڈر، چیک یا
ڈرافٹ ادارے کے نام بھیج کر اپنا آرڈر بک کرالیں گے انہیں اسی رقم میں
سیٹ معہ پلاسٹک کور بذریعہ ڈاک آرڈر کی ترتیب کے مطابق روانہ کیے جائینگے۔

نوٹ : دفتر سے دستی حاصل کرنے والوں سے -/۳۱۵ روپے پیشگی
وصول کئے جائیں گے۔

ناظم

ادارہ ترجمان القرآن اچھرہ۔ لاہور

سیّد ابوالاعلیٰ مودودی

کی

اوّلین تصنیف

الجہاد فی الاسلام

- جو کہ ۲۳ سال کی عمر میں تحریر کی گئی۔
- جس کی علامہ اقبالؒ نے بھی تعریف و تحسین فرمائی۔
- جسے تحریک قیام پاکستان کے دوران میں مسلمانوں میں جذبہ جہاد پیدا کرنے کے لیے کثیر تعداد میں پھیلایا گیا۔
- اسلام کے نظریۂ جہاد اور قانون صلح و جنگ کی بہترین اور مکمل تصویر۔
- دیگر مذاہب و اقوام عالم کے جنگی مقاصد و نظریات۔

اور

- بین الاقوامی قوانینِ قتال کا تقابلی مطالعہ
- اسلامی قواعدِ جہاد کی برتری کے تفصیلی دلائل
- جہاد کے مخالفین و معترضین کا مُسکت جواب
- درجنوں کتب و دستاویزات کے مطالعہ کا نچوڑ

۶۰۰ صفحات ○ قیمت : ۳۶ روپے

اِدارہ ترجمان القرآن

اچھرہ ○ لاہور